دینی، اِصلاحی، علمی تصوّف وسلوک کا واحد مجلّہ

ماھنامہ

المُرشد

چکوال - جہلم

بیاد:

حضرت العلّام مولانا اللہ یار خان صاحب رح

سرپرست:

حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدّظلہ

مدیر مسئول:

حافظ عبدالرزاق صاحب ایم اے (عربی - اسلامیات)

جلد ۶ | رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ مطابق جون ۱۹۸۵ء | شمارہ ۹

ماہنامہ، قیمت -/۴ روپے

دینی
اصلاحی
تصوّف
اور سلوک کا
واحد مجلہ
چکوال

المرشد

رابطہ کے لئے
"دارالعرفان" منارہ ضلع چکوال

اس شمارہ میں

اداریہ	مدیر
اسرار التنزیل (مقام صحابہؓ)	مولانا محمد اکرم
چراغِ مصطفویؐ	پروفیسر حافظ عبدالرزاق
باتیں ان کی خوشبو خوشبو	فیض الرحمان
رمضان اور روزہ	مولانا عبدالماجد دریابادی
اسم پاک محمدؐ	پروفیسر حافظ عبدالرزاق
وتبتّل الیہ تبتیلا	اللہ بخش زاہد ایم اے
قراقل کی ٹوپی کا استعمال	محمد سمیع اللہ اسلام آباد

بیاد حضرت العلاّم مولانا اللہ یار خان صاحب رحمتہ اللہ علیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہٗ ○ مدیر مسئول: پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے

مدیران اعزازی: مولانا اللہ بخش زاہد ایم اے - جناب ابوطلحہ

سول ایجنٹ: مدنی کتب خانہ گنپت روڈ لاہور

طابع وناشر حافظ عبدالرزاق مطبوعہ اصلاحی شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور مقام اشاعت الحسنات منزل چکوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ

اداریہ

انسان بننا سیکھئے

ہر جاندار کی کچھ بنیادی ضروریات ہوتی ہیں اور اسے زندہ رہنے کے لئے ان ضروریات کی تکمیل کا اہتمام کرنا پڑتا ہے مثلاً پیٹ بھرنے کے لئے غذا۔ آرام کرنے کے لئے کوئی ٹھکانہ اور بقائے نوع کے لئے داعیہ۔

خالقِ کائنات کا انتظام ایسا عجیب ہے کہ ہر جاندار کو اس کی ضروریات کا احساس بھی دے رکھا ہے۔ ان اُمور میں ہر جاندار برابر ہے۔ مگر اس کے بعد ایک قدرتی تقسیم کا عمل شروع ہوتا ہے۔ حیوانات کا خاصہ یہ ہے کہ جب کوئی خواہش پیدا ہو اس کے پورے کرنے کو دوڑ پڑے۔ غذا کی خواہش ہو تو جہاں ہری ہری گھاس نظر آئی چرنے لگے۔ اپنا، پرایا، مفید، مُضر کسی بات کی تمیز نہیں۔

بقائے نوع کا داعیہ اُبھرا تو اس کی تسکین کے لئے جہاں موقع ملا جو سامنے آگیا اور جس وقت تقاضا ہُوا پورا کر ڈالا۔ جس سے یہ نتیجہ نکلا کہ حیوان یکسر خواہشات کا غلام اور محکوم ہے۔

انسان کے دل میں بھی خواہشات پیدا ہوتی ہے اور وہ انھیں پورا کرنے کی تدبیر کرتا ہے، اور اس طرح کہ غالبؔ کو کہنا پڑا ؎

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارماں لیکن پھر بھی کم نکلے

مگر خواہشات کے پورا کرنے کے معاملہ میں انسان کی حالت حیوانات سے

مختلف ہے۔ جب کوئی خواہش دل میں پیدا ہوتی ہے تو انسان یہ ضرور سوچتا ہے کہ اسے پورا کرنا چاہیئے یا نہیں اگر پورا کرنا ہے تو طریقہ کونسا اختیار کیا جائے یہ دونوں سوال ہر انسان کے سامنے لازماً آتے ہیں بشرطیکہ اس کے اندر کا انسان زندہ ہو۔ یہ اور بات ہے کہ چاہیئے یا نہ چاہیئے کا معیار۔ اور تدبیر کے اختیار کرنے کے معاملے میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہر شخص نے اپنے کرنے کے لئے سند یا اتھارٹی کا انتخاب خود کر رکھا ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کسی نہ کسی حد تک خواہشات پر حکمرانی کرتا ہے خواہشات کا غلام نہیں ہوتا۔ یہی چیز انسان اور حیوان میں مابہ الامتیاز ہے۔ اور مثالی انسان یا انسان کامل بننے کے لئے ضروری ہے کہ اسے خواہشات پر حکمرانی کا سلیقہ کماحقہ آتا ہو۔

نظری اعتبار سے دیکھا جائے یا عملی اعتبار سے یہ کہا جائے تو یہ ایک تاریخی حقیقت نظر آتی ہے۔ کہ مسلمان نام ہی انسان کامل کا ہے، خیر القرون کو دیکھئے تو آپ کو یہ ایک حقیقت ثابتہ محسوس ہوگی۔ آج کے مسلمان کو دیکھ کر آپ کو یقیناً مایوسی ہوگی مگر اس کی وجہ یہ نہیں کہ مسلمان کی خصوصیات بدل گئی ہیں بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ دور جعلی لیبل استعمال کرنے کا دور ہے جب ضروریات زندگی میں سے ہر چیز نقلی ہے تو مسلمان کیوں نہ نقلی ہو۔ مگر نقل کو اصل سمجھ لینا یا نقل پر ہی مطمئن ہو جانا شرفِ انسانیت کے منافی ہے ہاں جسمانی امراض کی طرح روحانی اور اخلاقی بیماریوں کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اس صورت میں ردِّ عمل وہی ہونا چاہیئے جو جسمانی امراض میں مبتلا ہونے کی صورت میں انسان اختیار کرتا ہے۔ یعنی بیماری کا علاج کرانا اور بد پرہیزی سے بچنے کی کوشش کرنا۔ اور اطباء کے ہاں مسلمہ اصول تو یہ ہے کہ پرہیز، علاج سے بہتر ہے۔

اسلام نے آدمی کو انسان بنانے کے لئے یہی دو تدبیریں سکھائی ہیں یعنی پرہیز اور علاج۔ اور ان دونوں میں سے بھی زیادہ زور پرہیز پر دیا گیا ہے

جبھی تو اچھے مسلمان کو پرہیزگار کہتے ہیں۔ اور پرہیز کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ خواہشات پر قابو، کنٹرول یا حکمرانی کا فن آجانے کو پرہیزگاری کہتے ہیں۔

اسلامی عبادات کے فلسفے پر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ عبادات کیا ہیں دراصل خواہشات پر قابو پانے کی مشق کرائی جارہی ہے یا یوں کہیے کہ عبادات کیا ہیں۔ انسان بننے کا سلیقہ سکھایا جارہا ہے۔

اسلام نے جو عبادات منصوصہ مقرر کی ہیں اُن میں رمضان کے روزے خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ انسان لذت پرستی کے اعتبار سے غذا کے معاملے میں بڑا کمزور واقع ہوا ہے۔ خواہش سے ایسا مغلوب ہو جاتا ہے کہ جانتے بوجھتے ہوئے بے اعتدالی کر جاتا ہے۔ اس خواہش پر غلبہ پانے اور اسے حدود کا پابند بنانے کے لئے مسلسل ایک مہینہ تک دن بھر جو روزے کی مشق کرائی جاتی ہے وہ یہی خواہش پر قابو پانے کی تربیت ہی تو ہے۔ اس سلسلے میں اسلام نے حرام و حلال میں جو تمیز رکھی ہے یہ ایک دائمی مشق ہے۔ مگر اس مہینے میں اس خواہش پر قابو پانے کے لئے ایک پابندی اور لگا دی کہ ایک خاص وقت تک حلال سے بھی پرہیز کرنے کا حکم دیدیا۔ تاکہ خواہش پر حکومت کرنے کی گرفت اور مضبوط ہو جائے۔

اسی طرح بقائے نوع کے سلسلے میں ایک پابندی تو دائمی ہے کہ جنسی داعیہ کی تسکین کے لئے نکاح کو لازمی قرار دے دیا مگر اس مہینہ میں ایک خاص وقت تک اس پر ایک اور پابندی کا اضافہ کر دیا۔ جس کا مقصد اس کے سوا کیا ہے کہ انسان کو حکم سے زیادہ حاکم کی ذات اور اس کی معرفت حاصل کر کے اس کے حکم کی تعمیل کا سلیقہ آجائے۔ یہ دو اُمور حسی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر روزہ کی حقیقت صرف یہی نہیں کہ آدمی دن بھر بس بھوکا پیاسا رہے تو روزے کا حق ادا ہو گیا۔ بلکہ حقیقی روزہ یہ ہے کہ

اس مہینے میں مسلسل اس بات کی مشق کی جائے کہ انسان ہاتھ پاؤں زبان، کان اور آنکھیں بلکہ تمام اعضا اللہ کی نافرمانی سے پرہیز کریں۔ اسی پر بس نہیں دل کے جذبات اور دماغ کی سوچ پہ بھی قدغن لگائی جائے کہ تمام مرغوبات اور ہر خواہش شریعت کے تحت آجائے۔اسی حقیقت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس انداز سے بیان فرمایا کہ جس نے روزہ رکھ کے جھوٹ سے پرہیز نہ کیا۔ اللہ تعالےٰ کو اسے بھوکا پیاسا رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کے دل میں انسان بننے کی ضرورت کا احساس زندہ ہو۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو انسان بننے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ قابلِ رشک ہیں وہ لوگ جو انسان بننے کے لئے وہ تدبیر اختیار کرتے ہیں جو خود خالق انسان نے بتائی ہے۔

قابلِ احترام ہیں وہ لوگ انسان سازی کے اس موسم کے استقبال کے لئے چشم براہ رہتے ہیں اور جب وہ آجاتا ہے تو پورے شوق اور تمام شرائط کے ساتھ پورا مہینہ انسان بننے کی مشق میں گزار دیتے ہیں

اللھم اجعلنا منھم

مدیر

اسرار التنزیل

مقامِ صحابہؓ

مولانا محمد اکرم

۲۸ مارچ ۸۵ء کو ٹاؤن ہال گجرات میں فضیلت صحابہؓ کانفرنس ہوئی جو ہر سال خدام صحابہؓ گجرات کے زیر انتظام منعقد ہوتی ہے اس میں اسی موضوع پر مندرجہ ذیل بیان ہؤا خطبہ مسنونہ کے بعد سورہ فتح کی آیت ۲۹ از محمد رسول اللہ الی آخرہ تلاوت کی اور اس کی شرح کی۔

جناب صدر محترم حضرات علماء کرام وحاضرین محفل اصل بیان تو پروفیسر غازی احمد صاحب کا ہوگا جنکی علمی فضیلت محتاج تعارف نہیں علاوہ ازیں ہم ہیں اور ان ہیں اور بھی کئی اوصاف جُداگانہ ہیں جیسے اللہ کے احسان سے ہم مسلمانوں کے بیٹے ہیں اور یہ بہت بڑی نعمت ہے مگر وہ اسلام کے فرزند ہیں جو بہت بڑی سعادت ہے ہمارے پاس دلائل ہیں باتوں کی صورت میں مگر ان کا وجود مجسم دلیل ہے اللہ انہیں تادیر اپنے دین کی خدمت کا موقع عطاء فرمائے انہیں حضرات فضیلت صحابہؓ پر ایمان ضروریات دین میں سے ہے سو اسکی اہمیت بہت واضح ہے مگر میرے خیال کے مطابق اس آیۂ کریمہ کی روشنی میں جو میں نے تلاوت کی ہے اسکا درجہ تیسرا ہے اور وہ یوں کہ اول درجہ عظمت باری کا ہے پھر برکات پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ وجود باری پر تو کائنات کا ہر ذرہ شاہد ہے اور ہر تنکا گواہ مگر صفاتِ باری کے متعلق ہمیشہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے ہی مطلع فرمایا تا آنکہ آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اس شان سے مبعوث ہوئے کہ تاقیامِ قیامت ساری انسانیت کو کسی نئی نبوت کی احتیاج باقی نہ

رہی اسقدر علوم بکھیرے اور اتنے خزانے لٹائے کہ عالم انسانیت ہمیشہ کیلئے اپنی منزل سے آشنا ہو گیا سیاست تہذیب معاشرت سب کچھ اسقدر روشن واضح اور مکمل طور پر تعلیم فرمایا کہ آج تک گذرنے والی چودہ صدیاں اس پہ گواہ ہیں یعنی انکی طوالت بھی ارشادات کی روشنی کو گہنا نہ سکی نہ زمانے کی گرد انکے فیوضات کو اوجھل کر سکی جب ہی تو انسانیت کی رہنمائی کیلئے ارشاد ہوا ھُوَ الَّذِی اَرسَلَ رَسُولَہٗ یعنی میرا باب معرفت میرا رسول ہے میری ذات اور صفات کے بارے تم اسی سے علم حاصل کر سکتے ہو اور میرے قرب کی کیفیات کا امین بھی وہی ہے اسی کی اک نگاہ درجہ صحابیت پہ فائز کرتی ہے اور اسی کا فیض محبت نہ صرف دلوں کو ذاکر بناتا ہے بلکہ گوشت پوست اور ہڈیاں تک ذاکر بن جاتی ہیں ثم تلین جلودھم وقلوبھم الی ذکر اللہ صلی اللہ وعلی آلہ وسلم۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توصیف فرمائی آپ کا تعارف کرایا تو ارشاد ہوا محمد رسول اللہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور ان کی پہچان یہ ہے کہ جو لوگ، ان کے فیض صحبت سے سیراب ہو رہے ہیں۔ وہ نرالے اور انوکھے انسان بن گئے ہیں کہ ساری انسانیت ان دو جذبوں سے بڑی شدت کے ساتھ متاثر ہوتی

ہے یعنی قوت غضبیہ اور قوت شہوانیہ کہیں جوش غضب ہیں کوئی برس رہا ہے اور کہیں لالچ سے مغلوب ہو کر یا اغراض کی تکمیل کیلئے کوئی سر توڑ کوشش کر رہا ہے مگر یہ لوگ جذبات سے مغلوب نہیں ہوتے جذبات پہ حکومت کرتے ہیں ان کا غضب کفار اور کفر کیلئے ہے اور مومن کیلئے نسیم سحر کا جھونکا بن جاتے ہیں بہ یک وقت دونوں طرح کے جذبات ان کے قابو میں ہیں دنیا کے دوسرے سرے تک کفر کا تعاقب انہی لوگوں نے کیا مگر جیسے ہی کسی کافر کو بھی کلمہ حق نصیب ہوا بڑھ کر سینے سے لگا لیا۔ کسی کافر پر تلوار بکف اٹھا ہوا ہاتھ اس کے کلمہ پڑھتے ہی تلوار پھینک کر سینے سے بھینچنے لگا۔ ان کا جوش غضب صرف کفر کیلئے ہے ورنہ بحیثیت انسان کافر بھی ان کے کرم سے محروم نہیں کہ اسکے انسانی حقوق کی حفاظت کرنا بھی انہی کا شیوہ ہے دنیز تو انہیں جس حال میں بھی دیکھے گا اے مخاطب انہیں اللہ کی اطاعت میں مصروف پائے گا اور اس خلوص کے ساتھ جو عبادات کی جان ہے تراھم رکعا سجدا ہر وقت اور ہر کام میں جذبہ جاں سپاری سے کرتے ہیں کہ وہ رکوع وسجود کا ہم پلہ ہے اور لطف یہ ہے کہ یہ سب کچھ محض اللہ کے کرم اور اسی رضا کو پانے کیلئے ہے ان کا سونا جاگنا اٹھنا بیٹھنا کھانا

پینا شادی ہو یا موت کا حادثہ صلح ہو یا جنگ ملازمت تجارت یا کاشتکاری سب کچھ صرف اور صرف حصولِ قربِ الٰہی کیلئے ہے ہر کام اللہ کے حکم کے مطابق نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ طریقے سے انجام دیتے ہیں اور یہ ایسے بامراد لوگ ہیں کہ انوار و تجلیات ان کے چہروں پہ برستے ہیں ان کی اطاعتِ عمومی اور ان کے طویل سجدوں نے ان کی پیشانیوں کو روشن کر دیا ہے اور ان کی یہ تعریف و توصیف کتب سابقہ میں بھی نازل فرمائی گئی تورات میں ایسے اوصاف بیان ہوئے تو انجیل میں انہیں اُس کھیتی سے تشبیہ دی گئی جو زمین سے پھوٹتی ہے پھر مضبوط ہو کر پودا بن جاتی اور گھنی ہو کر لہلہانے لگتی ہے کس قدر خوش ہوتا ہے کسان کہ جب بھی کھیتی پہ نگاہ پڑتی ہے اسکا دل باغ باغ ہو جاتا ہے اور کفر بدنصیب ہے کہ ان سے اور ان کی عظمت سے جلتا ہے حالانکہ ان نیک نہادوں سے اللہ نے بخشش اور اجرِ عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

سبحان اللہ قرآن کریم کا اعجاز یہ ہے کہ اسکی ہر آیت پوری انسانی زندگی کی رہنمائی کرتی ہے جیسے کہ یہ ارشاد "محمد رسول اللہ" کیا ہر لحاظ سے رہنمائی کیلئے کافی نہیں سیاست ہو یا معاشرت تعلیم ہو یا تہذیب ہر سوال کا مکمل، شافی اور درست جواب آپؐ کی ذات گرامی میں موجود ہے سو ایک ایک آیت بھی انسانی رہنمائی کیلئے اپنے کلام ذاتی کے کیف و سرور اور ہدایت و نور عطا فرمانے کیلئے تئیس پارے نازل فرمائے فالحمدللہ علیٰ ذالک "اسکے کرم کی بات نہ پوچھو اسکا کرم بس اسکا کرم ہے" جیسے ارشاد ہے کہ جس کی ایک تسبیح منظور ہو گئی اسکی نجات کیلئے کافی ہے مگر کرم دیکھو دن میں پانچ نمازیں ہر نماز متعدد رکعتیں اور ہر رکعت میں دو دو سجدے مقرر فرما دیئے کیا یہ محض شرف حضور بخشنے کا حسین بہانہ نہیں ہے کہیں تو عاشق زار بات کو لمبا کرتا ہے۔

مے بحرفے می تواں گفتن تمنائے جہانے را
من از ذوقِ حضوری طول دادم داستانے را

مگر یہاں محبوبِ حقیقی کا کرم ہے کہ طالبوں کے لئے جمال جلال تاب کو لٹایا جا رہا ہے اور بات کو دراز تر کیا جا رہا ایسے ہی یہ ایک کلمہ رضی اللہ عنہم صحابہ کرام کے بامراد ہونے کی بہت بڑی سند تھی مگر تقاضائے کرم ہے کہ انہیں نوازتے ہی چلے جاتے ہیں۔ اور انکی تعریف و توصیف میں مسلسل آیات نازل فرمائی جاتی ہیں سبحان اللہ۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بنتے نہیں بنائے جاتے ہیں۔ اور ازل سے تخلیقی طور پر ہی نبی ہوتے ہیں وجود نہ بنے تھے نہ ان کر کے بننے کی خبر عام

تھی کہ تمام ارواح کو جمع فرما کر اپنی ربوبیت کا عہد لیا۔ اَلَستُ بِرَبِّکُم قالوا بلیٰ وہیں ارشاد ہے وَاِذ اَخَذَ اللّٰہُ مِیثَاقَ النَّبِیّٖن یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے عظمتِ محمدی کو نہ صرف منوایا بلکہ یوں کہنا مناسب ہے کہ سب سے بیعت لی کہ جب بھی اور جہاں بھی مبعوث ہو گئے وہاں میری الوہیت بیان کرو گے اور محمد رسول اللہ کی بعثت کی بشارت دو گے لوگوں کو آپ کی عظمت سے آشنا کرو گے اور یہ کہلاؤ گے لوگو! نسلاً بعد نسلٍ یہ بات منتقل کرتے جاؤ کہ جو بھی حضور کے مبارک زمانے کو پائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے اور یہ اس لئے کہ نبی دنیا میں آکر نہیں بنتے تخلیقی طور پر نبی بنائے جاتے ہیں کہ اللہ نے جو اوصاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمائے ویسا ہی حضور کو پیدا فرمایا۔ ورنہ پہلے لوگوں کا ایمان نہیں بچ سکتا جیسا انہوں نے مانا اگر آپ ویسے نہ ہوتے تو ایمان کیسے خلاف واقعہ کو سچ جاننا اور اسے ایمان کا درجہ دینا خود ایمان کے منافی ہے پھر صرف اُمتیوں کے ایمان کی بات نہیں انبیاء و رُسل بھی تو مانتے اور قبول کرنے میں ساتھ ہیں۔ سو حق یہ ہے کہ جو اوصاف و کمالات کتب سماوی میں اللہ نے نازل فرمائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے آراستہ فرما کر

دنیا میں بھیجا اب سوال یہ ہے کہ صحابہ رسولؐ کے اوصاف بھی تو اسی خالقِ کل اور عالم الغیب ربُّ العلمین نے کتب سابقہ میں نازل فرمائے۔ ان اوصاف و کمالات کو ماننا اُممِ سابقہ کیلئے ضروریاتِ دین ٹھہرا۔ اور نہ صرف اُمتیوں نے مانا بلکہ انبیاء و رُسُل کا ایمان بھی انہی آیات کے ساتھ تھا اور صحابہ ابھی پیدا نہ ہوئے تھے کہ ان کی عظمت کا اقرار باعث نجات اور ضروریات دین میں سے تھا تو یوں سمجھ آتی ہے کہ یہ لوگ بھی محض بننے نہیں بنائے گئے ہیں اور صحابیت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ وہبی ہے محض کسبی نہیں ورنہ تو صرف نبوت وہبی ہوتی ہے اور کسب سے حاصل نہیں کی جا سکتی

جس پہ مندرجہ ذیل حقائق بطور دلیل موجود ہیں

۱۔ کبھی بھی کسی کمال کو شرط ایمان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ خصوصیت صرف وہبی کمال کی ہوتی ہے جیسے نبوت کہ کمال کسبی کا کیا بھروسہ اس معیار کو پہنچے یا نہ نیز کمی بیشی کا احتمال ہر آن موجود۔

۲۔ مطاع اور واجب التقلید بھی صرف نبی اور نبوت ہی کا مقام ہے کہ وہ وہبی ہوتا ہے مگر یہاں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ منصب عطا ہوا جیسا کہ ارشاد ہے

والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنہم ورضوا عنہم اور حدیث پاک میں ارشاد کہ فبایہم اقتدیتم اہتدیتم او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم یعنی منصب صحابیت اتباع کا متقاضی ہے جو بیک وقت جملہ صحابہؓ کو حاصل ہے اگرچہ فضائل اور مدارج جدا گانہ ہیں۔

۳۔ کہ ان کا یہ مقام و مرتبہ کتب سابقہ میں بیان فرمایا گیا۔ جبکہ یہ حضرات ابھی عالم وجود میں وارد نہ ہوئے تھے اس وقت ابھی انکے کمالات اور مقامات پہ نہ صرف پہلی اُمتوں کو ایمان لانا تکمیل ایمان کیلئے ضروری تھا بلکہ جملہ انبیاء سابقہ کا بھی عقیدہ اور ایمان تھا۔ اور یہ اہمیت کسی بھی ایسے کمال کو حاصل نہیں ہو سکتی جو کسب سے حاصل کیا جا سکتا ہو۔

۴۔ تمام کسبی کمالات جس طرح بعد رسالت موجود تھے اب بھی موجود ہیں۔ مجاہد نمازی شہید۔ عابد و زاہد سب کچھ تو بنا جا سکتا ہے اور ان کمالات کو اپنی اپنی استعداد کے مطابق ہر مومن حاصل کر سکتا ہے مگر مقام صحابیت کا حصول ممکن نہیں کہ یہ صرف ان مخصوص حضرات کا حصہ ہے جنہیں وہ مبارک لمحہ نصیب ہوا جب یہ دولت بٹتی تھی۔

ولائیت وہبی بھی ہوتی ہے اور کسبی بھی یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی بغیر کسب کے ولائیت سے سرفراز ہو اور یہ بھی کہ محنت کر کے حاصل کر لے مگر صحابیت کیلئے یہ تو طے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم بقا میں جلوہ افروز ہونے کے بعد کوئی شخص درجہ صحابیت کو نہیں پا سکتا سو اس دور میں تو کسبی نہ رہی۔ رہا تیئس ۲۳ سالہ عہد نبوت تو اس میں دو باتیں قابل غور ہیں۔ اول یہ کہ ان تمام لوگوں کی اجماعی توصیف کتب سابقہ میں نازل فرمائی جنہیں شرفِ صحابیت نصیب ہونا تھا یعنی یہ وجود ہائے مقدس ابھی تخلیق نہ ہوئے تھے کہ ان کے اوصاف اُمم سابقہ کیلئے شرط تکمیل ایمان ٹھہرائے گئے۔ اب یہ پیدا ہوئے دنیا میں آئے تو اگر ان اوصاف کے حامل نہ ہوں تو سب سے پہلا اعتراض علم باری پر اور اسی قوت کے ساتھ قدرتِ باری پہ وارد ہوتا ہے کہ بنانے والا بھی خود اور علم ازلی وابدی پر واقعہ خلافِ اطلاع کیسے ہو گیا اور یہی وجہ ہے کہ عظمتِ صحابہ کا انکار کرنے کیلئے یار لوگوں کو عقیدۂ بدا ایجاد کرنا پڑا جس کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ کریم کو واقعات کا علم تب حاصل ہوتا ہے جب واقعہ ظہور پذیر ہو ورنہ پہلے یونہی اندازے

سے ارشاد فرما دیتا ہے۔ بھئی کمال یہاں صرف بتانے والا ہی خود نہیں ۔ بنانے والا بھی آپ ہی ہے اگر ایسا عقیدہ رکھا جائے تو یہ عظمت باری کی صریح نفی ہے دوسرے ان لوگوں کے ایمان کیا ہوئے جو ان کے دنیا میں آنے سے پیشتر پہلی آسمانی کتابوں کے وسیلے سے انہیں بالکل ویسا ہی تسلیم کرتے ہے جیسا کہ کتب میں ارشاد ہوا سو یوں سمجھ آتی ہے کہ شرف صحابیت بھی وہبی ہے اور محض اتفاقاً کچھ لوگ اس سے سرفراز نہیں ہوئے بلکہ ازل سے اسی مقام کے حامل بنائے گئے ہیں ۔ ؎

مجھے تو ان کے مقدر پہ رشک آتا ہے
وہ لوگ کیا تھے جو محبوب کبریا سے ملے

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ کفار کہیں یا محروم القسمت کہہ لیں ایسے لوگوں کے حق میں ارشاد ہوتا ہے ۔ ینظرون الیک وھم لا یبصرون القرآن ۔ کہ اے محبوب آپکی طرف دیدے گھماتے ہیں مگر آپ کو دیکھ نہیں پاتے ۔ یعنی صرف ایک حیثیت انہیں نظر ہی نہیں آتی محمدؐ بن عبداللہ آپ کی اصل شان اور خاص حیثیت یعنی محمدؐ رسول اللہ انہیں نظر ہی نہیں آتی ۔ تو اگر صحابیت کسبی شئے ہوتی تو ان پر اسکا دروازہ بند نہ ہوتا ۔ یہاں ایک مسئلہ اور بھی آجاتا ہے کہ ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ صرف چچا تھے بلکہ امکانی حد تک انہوں نے حضورؐ کا ساتھ دیا اور کفار کے مقابل اپنی ذات کو کھڑا رکھا مگر دنیا سے بغیر ایمان لائے اٹھ گئے اگرچہ احادیث مبارکہ سے پتہ ملتا ہے کہ ان کی یہ محنت بھی اکارت نہیں گئی اور دوزخ میں انہیں سب سے کم عذاب ہوگا مگر جنت کو نہ جا سکیں گے کہ ایمان نصیب نہیں کیوں؟ اس لئے کہ انکی حمایت بھی محمدؐ بن عبداللہ کیلئے تھی جو ان کا بھتیجا تھا محمدؐ رسول اللہ کیلئے نہ تھی اگر آپؐ ان کے بھتیجے نہ ہوتے تو کیا صرف رسالت کی حمایت کیلئے وہ آگے بڑھتے ہرگز نہیں کیونکہ رسالت کو انہوں نے مانا نہیں تو حمایت کیسی اور یہی حال دوسروں کا ہے کہ سارے انکار کا سبب یہ تھا کہ ہم محمدؐ بن عبداللہ کو کیسے قبول کر لیں اگرچہ بعض کا کفر عنادی اور جحودی تھا یعنی اندر سے جان گئے تھے مگر یہ حیثیت کہ یہ محمدؐ بن عبداللہ ہے بنو ہاشم کا یتیم اور اُمّی محض ہم اسے کیسے قبول کر سکتے ہیں ۔ تو اس ساری بحث کا نتیجہ بھی وہی ہے کہ نعمت انہیں کو نصیب ہوئی جنہیں وہبی طور پر عطا فرمائی گئی ۔

اور کیوں نہ ہو ذات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کا درجہ بہت ہی بلند ہے یہاں حال یہ ہے کہ وہ شہر جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے پلے بڑھے جوان ہوئے اور نبی مبعوث ہوئے وہ پہاڑ وہ صحرا وہ گلیاں وہ محلے اور ان کی خاک تک کو کافر پہ حرام قرار دیدیا اور حرم کی حدود مقرر فرما کر مسلمانوں پہ فرض کر دیا کہ اسے کفار کے پاؤں سے آلودہ نہ ہونے دیں ایسے ہی وہ شہر بے نظیر کہ جہاں خواجہ دوسرا کا قیام ہے صلی اللہ علیہ وسلم بھی کافر کیلئے حرم قرار پایا جس خاک نے آپ کے قدم چومے وہ کافر کیلئے حرام ہوگئی تو ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف دیکھنا بلکہ آپ سے بیعت کرنا، ساتھ ہجرت کرنا، جہاد کرنا، عبادات کرنا بلکہ زندگی ساتھ بسر کرنا یہ سب وہبی ہے اور عطا ہے۔ اور ان کی عظمت خدا ہی جانے جو مقدس ہستیاں ساتھ جُڑیں تو پھر سفر، حضر، اُحد، بدر، گھر اور قبر میں بھی رفیق ہیں ۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را ..

سو احباب کرام عظمت باری جڑ ہے اور وجودِ مبارک رسول اللہ ﷺ تنا ہے صحابہ برگ و بار جڑ کا نشان تنے سے ملتا ہے اور تنے کی خوبی برگ و بار بیان کرتے ہیں سو عظمت صحابہ پہ وار جڑ کاٹنے کے مترادف ہے دوسری ضرب اوصافِ نبی ﷺ پہ لگتی ہے کہ مزکی اعظم نے ہی تزکیہ کیا ہاں ایک بات ضرور ہے کہ لوگوں کے اعتراضات بھی بے دلیل نہیں ان کے پاس تاریخی شواہد موجود ہیں۔ ٹھیک ہے۔ ان شواہد کے وجود سے انکار درست نہیں مگر آپ احباب میں بیشتر حضرات چوٹی کے وکیل ہیں اور دوسرے بھی سب حضرات اہل علم کیا یہ تو حق نہیں بنتا کہ شہادت اور شواہد کی حیثیت کو متعین کیا جائے۔ اور پھر رد و قبول کا فیصلہ ہو۔ تو سُنیئے ایک طرف شہادت ہے قرآن کی۔ اللہ کی آخری کتاب کی اللہ کے آخری رسول کی اور خود ذاتِ باری کی جو اگلے پچھلے ظاہر باطن سب حالات جانتا بھی اور خود ہر شے ہر وجود اور ہر وجود ہر وصف کا خالق بھی ہے مقابلے ہیں گواہی ہے کلبی کی واقدی کی مسعودی وغیرھم مورخین کی جن کا اپنا ایمان ثابت نہیں ہوتا کہ یہ سب حضرات خود شیعہ تھے۔ اور عظمتِ صحابہ کے اولین منکر اور یہود کی خلاف اسلام تحریک سے متاثر پھر یہ چشم دید گواہ نہیں تیسری صدی میں سن کر لکھتے ہیں۔ حضرات تاریخ کی تو حقیقت ہی یہ ہے کہ بقول حضرت انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہٗ یفرون من افواہ الناس کہ لوگوں کے منہ سے نکل ہوئی باتیں ہوتی ہیں آپ اندازہ فرمائیں کہ ہمارے سامنے آدھا ملک ٹوٹ گیا سب نے دیکھا تو آج اگر پیپلز پارٹی جماعت اسلامی اور عوامی لیگ میں ایک

ایک آدمی اسکی تاریخ لکھے تو حقیقت ہو گی یا اپنا اپنا نقطۂ نظر ہو گا یہی حال تاریخ کے ہر دور کا ہے آپ اسی برصغیر میں مسلمان حکمرانوں کی کردار کشی سے اندازہ کرلیں کہ مستشرقین کے تعصب نے انہیں ظالم و جابر لکھا اور ظالم عیسائیوں کو شیر دل کہا آپ نہیں دیکھتے کہ اورنگ زیب عالمگیر رحمت اللہ علیہ تو ظالم کہلائے اور رچرڈ شیر دل سو کتاب الٰہی کے سامنے کسی دوسری شہادت کی کوئی حیثیت نہیں۔

سو عظمتِ صحابہ کا انکار صرف ایک شئے کا انکار نہیں بلکہ سارے اسلام کا انکار ہے ان حضرات کو اللہ نے مطاع قرار دیدیا ہے حالانکہ معصوم نہیں ہیں عصمت خاصہ نبوت ہے جبھی تو نبی کی اطاعت فرض ہے مگر یہاں یہ بھی معصوم نہیں تو محفوظ بدرجہ اولیٰ نہیں کہ امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے تین طبقے ارشاد ہوئے ہیں

۱ - والسابقون الاولون من المهاجرین۔

۲ - والانصار

۳ - اور تیسرا ہمیشہ کیلئے قیام قیامت تک کیلئے والذین اتبعوھم باحسان۔

وہ طبقہ جو مہاجرین و انصار کا خلوصِ قلب سے متبع رہا۔ جو بھی شخص ان تین طبقوں میں شامل نہیں وہ امتِ اجابت سے خارج اور اسلام سے محروم ہے کہ انہیں لوگوں کی اطاعت باعثِ حصولِ رضا ہے جو بہت ہی بلند مقام ہے کہ یہ ہی لوگ حقیقی فنافی الرسول کے حامل ہیں اللہ کریم ہم سب کو حاضر و غائب تمام مسلمانوں کو انہیں کے مبارک نقشِ قدم پہ چلنے کی توفیق ارزاں فرمائے۔ آمین

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

ماہنامہ المرشد

کا مطالعہ آپ کے لئے اور آپ کے گھر والوں کے لئے بہت ضروری ہے کیونکہ یہ عقیدۂ توحید و رسالت کے مضامین شائع کرتا ہے۔

چراغِ مصطفویؐ

(پروفیسر حافظ عبد الرزاق ایم اے اسلامیات)

عن صہیب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عجباً لامر المؤمن ان امرہٗ کلہ لہٗ خیر ولیس ذلک لاحد الا للمومن ان اصابتہ سرّاءُ شکر فکان خیراً لہ وان اصابتہ ضرّاء صبر فکان خیراً لہ (رواہ مسلم)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا معاملہ عجیب ہے کیونکہ اس کی ہر حالت اس کے حق میں بہتر ہوتی ہے مومن کے علاوہ کسی اور کو یہ سعادت نصیب نہیں۔ اگر مومن کو فراخی، سکون اور خوشی حاصل ہوتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور یہ اس کے حق سے بہتر ہوتا ہے اور اگر اسے رنج، مصیبت آتی ہے یا محنت و مشقت کرنی پڑتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور ایسا کرنا اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فضائل اخلاق میں سے صبر و شکر کی فضیلت اور عظمت بیان کرتے ہوئے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس کائنات کا نظام وہی چلا رہا ہے جو اس کا خالق ہے۔ اس نظام میں اشرف المخلوقات یعنی انسان کو مختلف حالات سے گزرنا پڑتا ہے جو حالت اور جیسی حالت پیش آئے اس کے مطابق انسان کا ایک ردِّ عمل ہوتا ہے، اور اس ردِّ عمل کی صورت ہی دراصل وہ امتحان ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان واقعی اشرف المخلوقات کے لقب کا مستحق ہے یا اپنا ٹھکانا اسفل السافلین میں بنانے کی تدبیر کر رہا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر حالت میں ردِ عمل اختیار کرنے کا تذکرہ فرمایا جس کی وجہ سے انسان واقعی انسان کہلانے کا مستحق ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جو ردِ عمل اس کے برعکس ہوگا وہ دراصل انسانیت کی توہین کی صورت ہوگی۔

ایک ردِ عمل کا اصطلاحی نام شکر ہے اس کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب انسان کو ایسے سازگار حالات پیش آئیں کہ اسے خوشی، آرام اور سکون حاصل ہو۔ اس صورت میں انسان کی نگاہ پلٹ کر ارحم الراحمین کی صفت رحمت پر پڑتی ہے اور بے ساختہ اس کے منہ سے نکلتا ہے الحمد للہ!

جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انسان اس کو محض اس کا کرم سمجھتا ہے جو منعم حقیقی ہے یہ ردِ عمل شرفِ انسانیت کا آئینہ دار ہے دوسرا ردِ عمل یہ ہوتا ہے کہ انسان ایسے خوش کن حالات کو اپنی قابلیت لیاقت اور صلاحیت کا نتیجہ سمجھنے لگتا ہے۔ اور اس پر اترانے لگتا ہے اور کہہ اٹھتا ہے "ہمچو ما دیگرے نیست" اور یہ بھول جاتا ہے کہ دینے والے نے یہ نعمت دے کر مجھے امتحان میں ڈال دیا ہے یہ ردِ عمل مومن کی شان کے شایان نہیں

شکر کی ایک صورت ہے اور ایک اس کی حقیقت، صورت تو یہ ہے کہ آدمی زبان سے الحمد للہ کہہ دے اور چہرے پر خوشی کے آثار نظر آنے لگیں مگر شکر کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی دی ہوئی ہر نعمت سے اس کی ہدایت کے مطابق کام لیا جائے اگر زبان سے تو الحمد اللہ کہے مگر اللہ تعالےٰ کی اس نعمت کو اللہ کی نافرمانی میں استعمال کرے تو یہ شکر نہ ہوگا ہاں شکر کی اداکاری ہوگی۔ اور حقیقی شکر ہی وہ ردِ عمل ہے جو نعمت کے اضافے کا موجب بنتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے نہایت تاکید سے فرمایا لئن شکرتم لأزیدنکم یعنی اگر تم شکر کروگے تو یقیناً میں تمہیں اور عطا کروں گا۔

انسان کی آزمائش کی دوسری صورت کا اصطلاحی نام صبر ہے، صبر کا مفہوم

نہایت وسیع ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صبر کہتے ہیں رُک جانے کو۔ اس کی صحیح اور اعلیٰ ترین صورت یہ ہے کہ اللہ و رسول کے احکام کی تعمیل کے لئے خواہشِ نفس اور حصولِ لذت کے تقاضے پورا کرنے سے رُک جانا، ظاہر ہے یہ کام بڑا مشکل ہے کیونکہ نفسِ امارہ انسان کو فوری لذت سہل انگاری اور تن آسانی کی طرف مائل کرتا ہے۔ اور شرعی احکام انسان کو دور اندیش مجاہد اور مستعد بنانے کا تربیتی پروگرام دیتے ہیں اس امتحان میں انسان اگر لذت پرستی کی طرف بڑھنے سے رُک جائے اور احکامِ الٰہی کی تعمیل کی مشقت خندہ پیشانی سے برداشت کرے تو گویا اس نے صبر کا حق ادا کر دیا۔

رمضان المبارک کا مہینہ گویا مومن کے صبر کا سالانہ امتحان ہے اس میں صبر کی ایسی ہمہ پہلو مشق ہوتی ہے کہ مومن اگر اس کے تقاضے اور شرائط پوری کرے تو واقعی کندن بن جاتا ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من صام رمضان ایماناً واحتساباً غفرلہٗ ماتقدم من ذنبہ

"یعنی جس نے رمضان کے روزے پورے یقین اور ساری شرائط کے ساتھ رکھے اس کی گذری ہوئی زندگی کے سارے گناہ بخش دیے گئے"،

کتنا بڑا انعام ہے اور کیسا نفع کا سودا ہے۔ یہ احتساب کیا ہے؟ یہی کہ جیسے پیٹ کو کھانے پینے سے دن بھر باز رکھا اور جنسی عمل سے رُکے رہے اسی طرح زبان کو جھوٹ اور غیبت سے کان کو فحش کلامی اور گندے گیتوں سے ہاتھ پاؤں کو بُرائی سے اور دماغ کو بری سوچ سے باز رکھا تو یہ اصل صبر ہے اور اسی کو احتساب کہتے ہیں۔

اور اگر یہ صورت نہ ہوئی تو اس صبر کا نتیجہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ "کتنے روزہ دار ہیں کہ بھوک پیاس کے علاوہ جن کے پلے کچھ نہیں پڑتا"۔

صبر کے مفہوم میں دوسری صورت یہ ہے کہ اگر ایسے حالات پیش آجائیں جو انسان کو رنج مصیبت اور مشقت

میں ڈال دیں تو مومن کا ردِ عمل یہ ہوتا ہے کہ ؎

ہر کہ از دوست می رسد نیکوست

یعنی محبوب کی طرف سے جو ملے وہی اچھا ہے اس ردِ عمل کا نام بھی صبر ہے جس کی نشاندہی رب العالمین نے ان الفاظ میں فرمائی کہ:

اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ و انا الیہ راجعون ؕ

"یعنی اہلِ ایمان کو جب کوئی مصیبت آئے تو کہہ اٹھتے ہیں ہم اللہ کی ملکیت ہیں اور ہمیں لوٹ کے اسی کے پاس جانا ہے" پھر غم کس بات کا - یہ ردِ عمل ایسا پسندیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بشارت دی کہ ان اللہ مع الصابرین۔

جس کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہو جائے اس کی خوش نصیبی کا کیا کہنا۔ اور اگر اس کے برعکس ردِ عمل ہو کہ مصیبت آئے تو انسان واویلا کرنے لگے گلہ شکوہ کر دے بال نوچنے لگے سینہ کوبی شروع کر دے۔ تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انسان، اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے خلاف احتجاج کر رہا ہے اور ظاہر ہے کہ مومن سے ایسی گری ہوئی حرکت کی توقع نہیں ہوسکتی۔ ایسا کرنا ایمان کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مقدس اور مبارک مہینے کی برکتوں کو سمیٹنے اور اپنے اندر صبر کا وصف پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

انسان کا سب سے بڑا اعزاز

تقویٰ ہے

باتیں اُن کی

خُوشبو خُوشبو

فیض الرحمان

اسلام آباد

نومبر ۱۹۸۲ء میں حضرت المکرم مولانا اللہ یار خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ تین چار روز کے لئے اسلام آباد میں بٹ صاحب کے ہاں قیام فرما ہوئے تھے اس دورہ کے دوران حسبِ عادت مختلف اوقات میں علم و حکمت کے موتی بکھیرتے رہے آپ کے فرمودات مختصراً درجِ ذیل ہیں۔

(۱) مشرقِ وسطیٰ کے کسی ساتھی کو بوقتِ رخصت نصیحت فرمائی۔ کہ غذا کا خاص خیال رکھیں۔ حلال اور ذبیحہ گوشت ملنا محال ہے۔ انگلینڈ میں ایک سکھ بعض علاقوں کو گوشت سپلائی کر رہا ہے جس کا ذبیحہ ہونا مشکوک ہے۔ حتیٰ الوسع گوشت نہ کھائیں، دال، سبزی، انڈے، مچھلی وغیرہ پر گذر اوقات کرلیں۔ گوشت ہی ضرور کھانا ہو تو زندہ مرغی لے کر خود ذبح کر کے گوشت بنالیں۔

(۲) علومِ نبوت کو علماءِ دین نے سنبھالا۔ نورِ نبوت کو صوفی حضرات نے اخذ کیا۔ اور آگے تقسیم کیا جس طرح اہلِ سنّت والجماعت کے ہاں مشہور فقہی سلسلے ہیں ایسے ہی باطنی سلسلے بھی چار مشہور ہیں۔
فقہی سلسلے حنفی۔ مالکی، شافعی اور حنبلی ہیں جبکہ باطنی سلسلے چشتیہ، قادریہ سہروردیہ اور نقشبندیہ ہیں ظاہری اور باطنی مذکورہ سلسلے درست اور برحق ہیں۔ ان میں سے کسی پر بھی چل کر اللہ کے فضل و کرم سے منزل مقصود پر پہنچ جائے گا۔

یہ اور بات ہے کہ کسی سلسلے میں ترقی جلدی ہوتی ہے اور محنت نسبتاً کم پڑتی ہے جبکہ دوسرے سلسلے میں محنت نسبتاً زیادہ کرنا پڑتی ہے اور ترقی کی رفتار کم ہے۔

(۳) انبیاء کرام نے ظاہر شریعت کے نفاذ (یا اقامتِ دین) کے لئے زیادہ کوشش کی بہ نسبت باطنی پہلو کے۔ کیونکہ اُن کی ذمہ داری کی نوعیت اور تقاضا ایسا ہی تھا، اسی کوشش میں دُکھ اور تکالیف سہتے رہے، بعض کو شہید کیا گیا۔ اور بعض کو زندہ ہی چیرا گیا۔ بعض انبیاء زندگی بھر تبلیغ فرماتے رہے۔ لیکن ایمان لانے والوں کی تعداد بہت ہی کم تھی۔

(۴) کشف کا مطلقاً انکار کفر ہے۔ اگر کشف نہ ہوتا۔ تو انبیاء کرام فرشتوں کو کیسے دیکھتے وحی کیسے آتی؟ احکام ربانی کیسے وصول کئے جاتے؟ تبلیغ کس چیز کی فرماتے؟ لوگوں کو کیا سمجھاتے؟ غرضیکہ پورا دین کشفاً حاصل کیا گیا۔

(۵) ایک حدیث شریف میں ہے۔ کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جب لوگ صبح سے شام تک دُنیا کمانے کی فکر میں لگے رہیں گے۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ لوگ رات دن دُنیا کمانے میں مستغرق رہتے ہیں، اس بات کی کوئی فکر یا پرواہ نہیں ہے کہ دین رہے یا چلا جائے ــــ پھر فرمایا۔ دنیا کی کثرت بذاتِ خود بُری شے نہیں بشرطیکہ یہ ہاتھ میں رہے اور دل میں جاگزیں نہ ہو جائے۔ یعنی اس کو آخرت سنوارنے کے لئے کام میں لایا جائے۔ نہ کہ اس کی وجہ سے آخرت برباد ہو ؎

نہ مرد است آں کہ دُنیا دوست دارد
اگر دارد برائے دوست دارد

(۶) الحاد اور بے دینی کی آندھیاں چل رہی ہیں۔ دین اسلام خطرے میں ہے۔ ایسے حالات میں میری کوشش یہ ہے۔ کہ عقائد کی اصلاح ہو جائے۔ ذکر کرنے لگیں۔ اور اس کی برکت سے نماز روزہ اور دیگر فرائض پابندی سے ادا ہونے لگ جائیں۔ اب جنید بغدادی اور بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نہیں بن سکتے۔ کیونکہ رزق حلال ملنا محال بلکہ ناممکن ہے۔

(۷) ہر چیز یعنی حجر، شجر، چرند، پرند ذکر کرتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ہم ادراک

نہیں کر سکتے جب تک دُنیا میں ایک بھی اللہ کا نام لینے والا باقی ہے۔ قیامت نہیں آئیگی اور جب دُنیا میں اللہ کا نام لینے والا ایک بھی فرد باقی نہیں رہے گا۔ تو قیامت آجائیگی اس سے ثابت ہوا۔ کہ بقائے عالم کا انحصار بھی ذاکرین پر ہے۔

(۸) ایک ساتھی نے نماز میں کثرت وساوس کی شکائیت کی۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشہور قول ہے کہ وہ غازی جس کو وسوسے بہت آتے ہوں۔ اور وہ کوشش اور تردد کرتا ہو کہ وسوسے دُور ہوں۔ تاکہ یکسوئی حاصل ہو سکے۔ افضل ہے اُس نمازی سے جس کو وسوسے کم آتے ہوں۔ نیز فرمایا۔ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا قول ہے کہ وسوسے بالکل نہ آنا یہودیوں کا فعل ہے۔ مسلمان کے دل کا امتحان لیا جاتا ہے جب وہ بار بار وسوسوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو زیادہ ثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

(۹) جتنے بھی حکمران اور بادشاہ زمانۂ ماضی میں گذرے ہیں۔ اکثر وبیشتر عالم برزخ میں گرفت میں ہیں۔ ان میں وہ بھی شامل ہیں جو تہجد گزار ہوتے تھے۔ حکمرانی کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک کہ رعایا کے ساتھ پورا پورا عدل وانصاف نہ کیا جائے۔ اس لئے بہتر ہے کہ بھیک مانگ کر گزارہ کرے۔ لیکن حاکم نہ بنے

(۱۰) فرمایا۔ کہ حضرت رابعہ بصری سے کسی نے سوال کیا۔ کہ درود شریف کو کثرت سے پڑھوں یا استغفار کو۔ اُنہوں نے جواب دیا۔ کہ استغفار بمنزلہ جھاڑو کے ہے۔ یعنی اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اور درود شریف کی مثال عطر کی ہے۔ جھاڑو دینے کے بعد اگر عطر چھڑکا جائے تو نورٌ علیٰ نور ہو جاتا ہے۔ اور اگر غلاظت کے ڈھیر پڑے ہوں اُن پر چاہے جتنی عطر کی شیشیاں چھڑک دو۔ لیکن خوشبو نہیں آئے گی۔

(۱۱) بیعت ہونے والے ساتھیوں کو نصیحت فرمائی۔ کہ لا الٰہ الا اللہ کو کثرت سے پڑھا کرو۔ اس سے گناہوں سے نفرت پیدا ہوگی۔ اور قربِ خداوندی حاصل ہوگا۔ درود شریف بھی کثرت سے پڑھا کرو۔ اس کی برکت سے رزق کی

فراخی حاصل ہوگی۔ اور مصائب میں کمی واقع ہوگی۔ روزانہ کم از کم ایک ایک تسبیح درود شریف، استغفار اور لاالٰہ الا اللہ کی پڑھا کرو۔ ہر نماز کے بعد سورۂ فاتحہ اور آیۃ الکرسی پڑھا کرو۔ سوتے وقت تسبیح فاطمہ پڑھا کرو۔ اس سے بھی رزق کی فراخی حاصل ہوگی۔ نماز سب عبادات کا سر ہے خود بھی نماز باجماعت ادا کیا کرو اور گھر والوں کو بھی نماز کی پابندی کراؤ۔ زندگی کو غنیمت جانو۔ قضاء شدہ نمازوں کو لوٹاؤ۔ معاملات کی اصلاح کرو۔ میں رواجی قسم کا پیر نہیں ہوں۔ اپنا بوجھ نہیں اٹھا سکتا تو دوسروں کا کیسے اٹھاؤں گا؟

(۱۲) مزارات کے سلسلے میں فرمایا کہ پنڈی اور چکوال کے مضافات میں بہت سارے مقابر ایسے ہیں، جن کے اندر کوئی بھی انسان دفن نہیں ہے۔ ایک مزار پر جا کر معلوم ہوا۔ کہ صاحبِ مزار کشمیر میں مرے تھے اور وہیں دفن کئے گئے یہاں پر اُن کی صرف ایک ہڈی دفن کی گئی تھی۔ اسی پر مزار بنا دیا گیا۔ ایک اور مزار پر معلوم ہوا۔ کہ شاہ صاحب یہاں پر کچھ دیر کے لئے بیٹھے تھے۔ اس لئے مزار بنا دیا گیا۔ دفن پتہ نہیں کہاں ہوئے تھے؟

(۱۳) مناظر کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا۔ کہ کامیاب مناظر کے اندر کچھ خصوصیات کا ہونا ضروری ہے مثلاً دلیر، قوی الجثہ، بلند آواز، حاضر جواب تیز حافظے والا اور دونوں طرف کی کتابوں کا عالم ہونا چاہیئے تواتر کے ساتھ دلائل سُن کر گھبرانہ جائیے۔ اگر فریق مخالف کی طرف سے بہت سارے سوالات کر دئے جائیں۔ تو صرف آخری سوالوں کے جواب دینے پر اکتفا کرے۔ کیونکہ سامعین عموماً ابتدائی سوال بھول جایا کرتے ہیں۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ بعد میں خود کو سوال کرنے کا موقع مل سکے گا۔ بصورت دیگر سارا وقت جواب دینے میں ہی گذر جائے گا۔

(۱۴) قُسطُنطنیہ کی فتح کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ فرمانے لگے۔ سُلطان کی فوجوں نے بار بار حملے کئے۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ کیونکہ قلعہ

کی فصیل بہت مضبوط تھی۔ سلطان نے اپنے وزیر کو ایک اہل اللہ کے پاس دعا کرانے کے لئے بھیجا۔ جنہوں نے دُعا کی اور بتایا کہ فلاں وقت قلعہ فتح ہو جائے گا۔ وہ وقت بالکل قریب آگیا۔ لیکن فتح کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ جن صاحب سے دُعا کرائی گئی تھی۔ اُن کو خیمے میں لے آئے وہ فرمانے لگے۔ کہ تنہائی میں دُعا کروں گا۔ تھوڑی دیر کے بعد ان صاحب نے فتح کی خوشخبری دی۔ باہر قلعے پہ نظر ڈالی۔ تو اس وقت تک فتح کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ سلطان کو بڑی پریشانی ہوئی کہ ان صاحب نے تو یہ بھی کہہ دیا ہے کہ فتح ہو چکی ہے، لیکن قلعہ ابھی تک جوں کا توں ہے۔ اچانک قلعہ کی دیوار پھٹ گئی۔ اور سلطان کی فوجیں اندر داخل ہو گئیں۔ سُلطان نے اُن صاحب سے بہت اصرار کیا۔ کہ ہمارے ساتھ رہا کریں۔ لیکن وہ نہیں مانے کیونکہ یہ طبیب تھے اور سیلانی مزاج تھے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کو یہ کرامت عطا کی ہوئی تھی کہ جب جنگل میں جڑی بوٹیوں کی تلاش میں جاتے تو وہ پکار پکار کہتیں کہ ہیں فلاں مرض کی دوا ہوں۔

وفیات

ہمارے ایک پرانے ساتھی جناب سید علی شاہ صاحب

کا انتقال ہوگیا ہے ان کے لئے دُعائے مغفرت کی درخواست ہے

(ادارہ)

رمضان اور روزہ

مولانا عبدالماجد دریا آبادی

روزہ تعمیل ارشاد خداوندی میں تزکیۂ نفس، تربیتِ جسم دونوں کا ایک بہترین دستور العمل ہے۔ اشخاص کے انفرادی اور اُمت کے اجتماعی ہر دو نقطۂ نظر سے لعلکم تتقون کے ارشاد سے اسلامی روزہ کی اصل غرض و غایت کی تصریح ہو گئی کہ اس سے مقصود تقویٰ کی عادت ڈالنا اور اُمت و افراد کو متقی بنانا ہے۔ تقویٰ نفس کی ایک مستقل کیفیت کا نام ہے جس طرح مُضر غذاؤں اور مضر عادتوں سے احتیاط رکھنے سے جسمانی صحت درست رہتی ہے اور مادی لذتوں سے لطف و انبساط کی صلاحیت زیادہ پیدا ہو جاتی ہے بھوک خوب کھُل کر لگنے لگتی ہے خون صالح پیدا ہونے لگتا ہے اسی طرح اس عالم میں تقویٰ اختیار کر لینے سے (یعنی جتنی عادتیں صحت روحانی اور حیاتِ اخلاقی کے حق میں مضر ہیں ان سے بچے رہنے) عالمِ آخرت کی لذتوں اور نعمتوں سے لُطف اُٹھانے کی صلاحیت اور استعداد انسان میں پوری طرح پیدا ہو کر رہتی ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں اسلامی روزہ کی افضلیت تمام دوسری قوموں کے گرے پڑے روزوں پر علانیہ ثابت ہوتی ہے اور مشرک قوموں کے ناقص ادھورے اور برائے نام روزوں کا تو ذکر ہی نہیں خود مسیحی اور یہودی روزوں کی حقیقت بس اتنی ہے کہ وہ یا تو کسی بلا کو دفع کرنے کے لئے رکھے جاتے ہیں یا کسی فوری اور مخصوص روحانی کیفیت کے حاصل کرنے کو۔ یہود کی قاموس اعظم "جیوش انسائیکلو پیڈیا" میں ہے

"قدیم زمانہ میں روزہ بطور علامت ماتم کے لئے رکھا جاتا تھا۔ اور یا جب کوئی خطرہ در پیش ہوتا تھا۔ اور یا پھر جب سالک اپنے میں قبول الہام کی استعداد پیدا کرنا چاہتا تھا۔

اسلام میں روزہ نام ہے اپنے قصد اور

ارادہ سے ایک مدت معین تک کے لئے اپنی جائز اور طبعی خواہشوں کی تکمیل سے دستبرداری اور اس سے ایک طرف طبی اور جسمانی اور دوسری طرف روحانی اور اخلاقی جو فائدے حاصل ہوتے ہیں فرد اور اُمت دونوں کو ان کا اجمالی تذکرہ کچھ یوں ہے۔

○ کھانا — انسانی زندگی قائم رکھنے کے لئے ہے یا انسان کی زندگی اس کے لئے ہے کہ اسے صرف کھانے پینے کی لذتوں میں بسر کیا جائے۔ موجودہ مادی دنیا نے دوسری شق کو اختیار کیا ہے اور اس کا عمل بھی اسی پر ہے۔ مذہب نے شق اوّل کو اختیار کیا ہے۔ اور اپنے پیروؤں کو اس پر عمل کی ہدایت کی ہے۔

اسلام دین فطرت کا دوسرا نام ہے اس میں کوئی سے فطرت انسانی اور فطرت کائنات کے مخالف ہو نہیں سکتی وہ ایک طرف اپنے پیروؤں کو جائز لذتوں سے لطف اُٹھانے کی بار بار دعوت دیتا ہے دوسری طرف قدم قدم پر لاتسرفوا یعنی دائرہ اعتدال سے قدم باہر نہ رکھو کی تاکید بھی کرتا جاتا ہے۔ لذتوں پر جھک پڑنے کا نام فسق ہے۔ اور لذتوں سے بالکل کنارہ کش ہو جانے کو رہبانیت کہتے ہیں۔ اسلام نے جو شاہراہ ہدایت دنیا کے سامنے پیش کی ہے وہ فسق اور رہبانیت دونوں سے بچ کر ان کی درمیانی راہ ہے۔

خواص جب گمراہ ہوتے ہیں تو رہبانیت کے ڈھیرے پر پڑ جاتے ہیں۔ عوام کی گمراہی کا نام فسق ہے۔ نفس انسانی میں لذتوں پر جھک پڑنے کا قدرتی میلان موجود ہے۔ انسان اکثر انہی لذتوں پر گرتا ہے اور ایسا گرتا ہے کہ انسانیت سے گر کر بہیمیت کے غار تک پہنچ جاتا ہے۔ روح کو چاہیئے کہ روز بروز لطافت کی جانب ترقی کرتی جائے تاکہ جب جسم سے جُدا ہو جانے کا وقت آئے تو اپنے مرکز اصل کی جانب پرواز کر کے جو از سرتا پا نور و لطافت ہے وصل و وصال کا وہ انتہائی لطف و سرور حاصل کرے جس کا نام مذہب کی اصطلاح میں جنت ہے۔ لیکن انسان جب فسق میں مبتلا ہو جاتا ہے یعنی ان دلی لذتوں میں پڑ جاتا ہے جو اس کی روحانی صحت کے حق میں مضر ہیں تو رفتہ رفتہ اس کی روح کثافت اور گندگی میں آلودہ ہو جاتی

لگتی ہے، یہاں تک کہ جسم سے جدا ہونے کے بعد اس میں اپنے مرکز اصلی کی جانب پرواز کرنے کی صلاحیت نہیں رہتی! اور مجبوراً اسے تنزل کر کے مادہ کی کثافتوں اور آلائشوں کے مرکز سے آمیز ہونا پڑتا ہے جو اس سے کوئی بھی طبعی و خلقی مناسبت نہیں رکھتے اس لئے اسے انتہائی اذیت اور تکلیف کا سامنا ہوتا ہے اور اس کو مذہب کی اصطلاح میں دوزخ کہتے ہیں۔

اسلام خلق اللہ کو راحت و سرور کی انتہائی منزل تک پہنچانے کا بہترین راہبر ہے اس نے چن چن کر اپنے نظام دائمی میں وہی باتیں رکھی ہیں جو روح کی فطری صلاحیت کو بڑھائی اور گندگی اور کثافت میں آلودہ ہونے سے اسے محفوظ رکھیں۔ ان سب تدبیروں سے ایک اہم تدبیر کا نام روزہ ہے محض بھوکا پیاسا رہنا یا خواہ مخواہ کسی کو اپنے تئیں گرسنگی اور تشنگی کی تکلیف میں مبتلا کرنا ہرگز روزہ کا مدعا نہیں، روزہ کی غرض و غایت صرف یہ ہے کہ انسان کچھ دیر کے لئے تمام اہم مادی لذات سے بے توجہ ہو کر روح کو اپنی صفائی اور پاکیزگی کی جانب متوجہ ہو جانے کا موقع دے۔ قرآن پاک میں روزہ غایت دو لفظوں میں فرمادی ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ تقویٰ کے معنی بچنا کے ہیں بچنا کس شے سے؟ ہر اس شے سے جو روح کی پرواز ترقی میں حائل ہوتی ہے۔ ہر اس سے جو روح کے جوہر لطیف کے حق میں زہر کا اثر رکھتی ہے۔ ہر اس شے سے جو روح کو کثافتوں اور آلائشوں کی دلدل میں پھنسائے رکھتی ہے۔ قرآنی بلاغت کا یہ معجزہ ہے کہ اس سارے مفہوم کو ایک لفظ تتقون کے ذریعہ ادا کر دیا

نماز اور روزہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے دو جداگانہ چیزیں نہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے ایجابی و سلبی، مثبت و منفی دو پہلو ہیں، نماز کی حیثیت فاعلی ہے، یعنی دربار خداوندی میں حاضری اور اپنی روح جزوی کا براہ راست تعلق روح کلی سے پیدا کرنا۔ روزہ کی حیثیت انفعالی ہے یعنی ان چیزوں سے بچو جو اس راہ میں حائل ہوتی ہیں۔ اور روح کو

اس رفتارِ ترقی کے ناقابل بناتی ہیں طبیب حاذق علاج بھی کرتا ہے اور پرہیز بھی بتاتا ہے۔ شفا بمنزلہ پرہیز، دوا اور پرہیز دونوں کی اہمیت اپنی اپنی جگہ پر ظاہر ہے۔

کھانے پینے میں زیادتی کرنا۔ عورت سے میل ملاپ پر حریص ہونا، جھوٹ بولنا، سخت کلامی کرنا کسی کا دل دکھانا کسی کے پیچھے اس کا برائی سے ذکر کرنا۔ مال و دولت کی ہوس کرنا، یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ روح کی لطافت کو صدمہ پہنچاتی ہیں۔ اس کی بالیدگی کو روک دیتی ہیں۔ اس میں تازگی کی بجائے پژمردگی پیدا کرتی ہیں اور جسم و مادہ کی کثافتوں کو بڑھاتی رہتی ہیں۔ اس قسم کی تمام چیزوں سے بچنے کا نام روزہ ہے اور روزہ دار کے لئے یہ سب امور ممنوع ہیں۔

انسان اگر اپنی زندگی کا بیشتر حصہ ان پابندیوں کے ساتھ گزار سکے تو اس کے مرتبہ کا کیا پوچھنا لیکن کم از کم سال کا بارہواں حصہ تو اس طرح گزارنا اپنے لئے لازم سمجھے اور اگر بہت سے بندے مل کر ایک خاص زمانہ اس کے لئے مقرر کرلیں جس میں وہ سب شریک ہوں تو شرکت و اجتماع کی بنا پر روزہ کی برکتیں بدرجہا بڑھ سکتی ہیں۔ مگر سب کا اپنے ارادہ سے ایک خاص زمانہ مقرر کرنا ممکن نہیں کسی کو کبھی سہولت ہوگی کسی کو کبھی اس لئے خود شریعت نے جو راحت و سرور ابدی کی منزل تک پہنچنے کی بہترین ہموارترین اور محفوظ ترین راہ کا نام ہے ایک خاص مہینہ مقرر کردیا جسے رمضان سے موسوم کرتے ہیں۔

خدائے اسلام جس طرح ہمارے رکوع و سجود ہماری تکبیر و تسبیح سے بے نیاز ہے اسی طرح اسے ہمارے بھوکے پیاسے رہنے ہمارے روزہ و تراویح، ہماری سحری و افطاری کی بھی کوئی حاجت نہیں یہ تمام امور صرف ہمارے نفع اور فائدے کے لئے ہیں، ہماری طبیعتیں اور سرشتیں چونکہ شیطانی اثرات سے مسخ ہو چکی ہیں اس لئے آج بہتوں کو روزہ کی پابندی ایک بار معلوم ہوتی ہے۔ لیکن کل جب حجابات اُٹھ جائیں گے جب آنکھیں کھل جائیں گی اس وقت اندازہ ہوسکے گا کہ روح میں اعلیٰ صلاحیتیں پیدا کرنے کے لئے اور ابدی سرور اور دائمی راحت حاصل کرنے کے لئے روزہ کتنا سہل، آسان

مفید اور مؤثر نسخہ تھا۔ کاش ہمارے سب بھائیوں کی آنکھیں آج ہی کھل جائیں۔

بہار کا موسم آتے ہی چمن دہر میں روح پرور ہوائیں چلنے لگتی ہیں، خشک درخت سبز ہو جاتے ہیں، پھول کھلنے لگتے ہیں جسم انسانی کی رگوں میں تازہ خون کی گردش ہونے لگتی ہے، سوئی ہوئی اُمنگیں جاگ اٹھتی ہیں، چستی و توانائی کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے جسم و مادہ کی کائنات میں آفتاب کا ایک پورا دور گذر جانے کے بعد یہ موسم آتا ہے اور طبیبوں کا بیان ہے کہ جسم سے فاسد مادہ دور کرنے اور مسہل لینے کا یہ بہترین زمانہ ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح روح اور جان کی کائنات میں بھی چاند کا ایک پورا دور گذر جانے کے بعد موسم بہار آتا ہے ماہتاب کو عشق کے متوالوں سے مناسبت ہے، ظاہر ہے کہ جب ماہتاب اپنے سالانہ سفر کا چکر ختم کرتا ہے تو عشق و محبت کی اقلیم میں پھر شوریدگی اور جنون کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں اور سال کے گیارہ مہینوں کے اندر غیریت کی جو کدورتیں جم جاتی ہیں طبیعت ان کے دفع کرنے کے لئے بیقرار ہو جاتی ہے اسی لئے رحمت کاملہ اور محبوبیت مطلقہ نے اپنے وفا شعاروں اپنے سرمستوں کے لئے ایک خاص مہینہ۔ ماسوا سے بے تعلق اور بے نیاز رہنے کا مقرر کر دیا جس کو اصطلاح میں ماہِ رمضان کہتے ہیں۔ یا ایُّھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام۔ یعنی اے حسنِ ازل سے پیمان وفا باندھنے والو! اے اپنے محبوب کی یکتائی کا کلمہ پڑھنے والو! اگر اپنے دعوی میں سچے ہو تو آؤ اپنے طریقِ عشق اور آئین اُلفت میں ایک مہینہ تک ماسوا پر نظر کرنا تک ناجائز سمجھو اور اپنی تمام نفسانی لذتوں کو اس بڑی اور حقیقی لذت کے تصور پر قربان کرتے رہو کہ نفسانی لذتیں اس شاہدِ حقیقی کے وصال کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹیں ہیں۔

یہ مبارک مہینہ صرف اسی لحاظ سے مبارک نہیں کہ اس میں انسان صبر و ضبط کی خدائی طاقتوں سے نوازا جاتا ہے بلکہ اس خیر و برکت والے مہینہ کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ اسی ماہ میں اول اول دنیا کے لئے بہترین کامل ترین اور جامع ترین ہدایت نامہ اُتارا گیا۔ اسی چاند میں انسانیت کے ظلمت کدہ کو نورانیت کے بدر کامل سے پُرانوار بنایا گیا۔ اور اسی بابرکت موسم میں انسان کے کان میں پہلی بار

نغمۂ ازل کی سریلی آواز، بے ہوشوں کو بیدار اور ہوشیاروں کو مست کرنے والی پکار پہنچی جس سے بڑھ کر کوئی دولت جس سے اونچی کوئی نعمت، جس سے برتر کوئی رحمت، عالم تصور میں کبھی موجود نہیں، قیس عامری کے پاس اگر لیلیٰ کا کوئی مکتوب یا پیام آجاتا تو کس طرح وہ اپنی جان نثار کرنے کو تیار ہو جاتا۔ اور اس مبارک گھڑی کو کس قدر عزیز رکھتا حسنِ ازل کے شیدائی کبھی نامہ یار کے ورود کے زمانہ کو کیونکر بھول سکتے ہیں جب یہ زمانہ آئے گا اس کی یاد میں بے تاب ہو جائیں گے اور اس پاک گھڑی کی پاک سالگرہ منانے میں اپنی بھوک، پیاس تک بھول جائیں گے۔

دو شخص ہیں ایک وہ جو اپنی خواہشات نفسانی کا غلام ہے، دوسرا وہ جو ان پر حاکم و آقا ہے۔ ایک وہ جو اپنی ہر ہوائے نفس سے مغلوب ہوتا ہے دوسرا وہ جو اسے اپنے قابو اور اختیار میں رکھتا ہے ایک وہ ہے جو اپنی بھوک، اپنی پیاس، اپنی نیند اپنی حرص اپنے غصہ کسی شے پر قابو نہیں رکھتا۔ دوسرا وہ جوان میں سے ہر شے کے ضبط پر قدرت رکھتا ہے آپ ایسے دو شخصوں میں سے کس کو ترجیح دیں گے؟

آپ خود ان دونوں میں سے کیا بننا پسند کریں گے؟ آپ کے نزدیک ایک نفس کی غلامی بہتر ہے یا اس پر حکمرانی؟ اگر آخر الذکر بہتر اور پسندیدہ ہے تو پھر کیا ہے کہ ماہ رمضان کی پیشوائی کے لئے آپ ذوق و شوق، مسرت اور خندہ جبینی کے ساتھ نہیں بڑھتے۔

حدیث قدسی کے الفاظ یاد کیجئے، الصوم لی وانا اجزی بہ یعنی روزہ میرے لئے ہے اور اس کا اجر خود میں ہوں، حوریں نہیں جنت کے محلات نہیں کوئی ایسی نعمت نہیں جسے مادی عقل سمجھ سکے بلکہ میں خود اس کا اجر ہوں۔ یہ کون کہہ رہا ہے؟ کس سے کہہ رہا ہے؟ آفتاب ذرہ سے نہیں مخدوم خادم سے نہیں شاہ گدا سے نہیں بلکہ کہہ رہا ہے خالق، مخلوق سے، معبود عبد سے، خدا بندے سے کیا زمینوں اور آسمانوں کی ساری نعمتیں ساری برکتیں ساری بادشاہتیں مل کر بھی ایک اجر کے سامنے پیش کی جا سکتی ہیں؟ کیسی دردناک نادانی ہوگی کہ اتنے ارزاں سودے کو بھی اپنی غفلت اور بے پروائی کی نذر کر دیا جائے

نیند پورے سکھ کے ساتھ کس کو آتی ہے؟ اس کاہل کو جو رات دن بستر پر پڑا رہتا ہے یا اس محنتی کو جو دن بھر کی دوڑ دھوپ کے بعد تھک کر اپنے دماغ اور جسم کو آرام دینے کے لئے لیٹتا ہے؟ کھانے میں اصلی مزہ کس کو ملتا ہے؟ اس امیر کو جو سارے دن اپنے ذائقہ کی خاطر داریوں میں لگا رہتا ہے اور طرح طرح کی بدپرہیزیاں کرتا رہتا ہے یا اس غریب کو جو محنت و مشقت کے بعد دن میں ایک یا دو بار سادہ اور معمولی کھانا کھاتا ہے؟ سو کر اُٹھنے کے بعد فرحت کس کو حاصل ہوتی ہے اس کو جو ساری رات پریشان اور ہولناک خواب دیکھتا رہتا ہے یا وہ جو شروع سے آخر تک میٹھی نیند کے مزے لیتا رہتا ہے؛ پس اگر کسی کو نیند پورے سکھ کے ساتھ نہیں آتی، کھانے میں پورا مزہ نہیں ملتا یا سو کر اٹھنے کے بعد طبیعت سے کسل پوری طرح دُور نہیں ہوتا۔ تو اس کی ذمہ داری اور تنہا ذمہ داری اس کی اپنی بے احتیاطیوں، بدپرہیزیوں اور بے اعتدالیوں پر ہے۔

روزہ جسم و روح دونوں کے ایک خاص ضبط والضباط، تزکیہ و تنقیہ، پرہیز و احتیاط کا نام ہے۔ اس کے تمام ہونے پر انتہائی لطف وراحت، لذت و فرحت محسوس ہونی چاہیئے اگر آپ اس میں کمی محسوس کرتے ہیں تو یقیناً یہ آپ ہی کا قصور ہے اور یہ لازمی ہے کہ روزے کی کچھ شرطیں آپ توڑ چکے ہیں اور اس کے جو آداب لگاہ رکھنے کے تھے وہ آپ نے نہیں رکھے، جسم اور دماغ کو اگر آپ دن بھر صحیح طور پر کام میں لگائے ہوئے ہیں تو رات کی نیند کی حالت میں سکھ ملے گا۔ اور نیند پوری کرنے کے بعد بھی فرحت حاصل ہوگی۔ ٹھیک اسی طرح اگر جسم و روح کو آپ ٹھیک طور پر دن بھر مشغول رکھے ہوئے ہیں۔ اگر آپ وہی کرتے ہیں جو ایک روزہ دار کو کرنا چاہیئے تو آپ کا دن اور آپ کی رات آپ کی صبح اور آپکی دوپہر، آپ کا سہ پہر اور آپ کا شام غرض آپ کے وقت کی ہر گھڑی آپ کے دل کی کلی کو کھلے رکھے گی اور سرور و نشاط کی ہوائیں آپ کے روح کو تر و تازہ رکھیں گی۔

آپ کہتے ہیں آپ خدا کے فضل سے روزہ دار ہیں۔ ماہ رمضان کا احترام ملحوظ رکھتے ہیں لیکن پھر یہ کیا ہے کہ آپ کی اندرونی زندگی میں کوئی نمایاں فرق محسوس نہیں ہوتا

غصہ اب بھی آپ کو برابر آتا رہتا ہے بلکہ شاید کچھ اور بڑھ ہی گیا ہے۔ دوسروں کی عیب چینی میں اب بھی آپکو ویسا ہی مزہ آ رہا ہے۔ نفسانی خواہشوں اور لڑنے جھگڑنے کے منصوبوں میں اب بھی کوئی کمی معلوم نہیں ہوتی دن میں بے شبہ آپ کھاتے پیتے نہیں لیکن وقت کا بڑا حصہ بجائے عبادتوں کے سونے اور بیکاری میں گزارتے ہیں یا پھر سحری، طعام شب اور افطار پارٹیوں کے اہتمام و انتظام کی نذر ہو جاتا ہے۔ وہ لذیذ اور ثقیل غذائیں جن سے آپ کا ذائقہ سال میں گیارہ مہینے بالکل نا مانوس رہتا ہے آپ صرف اسی ماہ صبر و تقویٰ کے لئے اٹھا رکھتے ہیں اور وقت اور دولت کا اچھا خاصا حصہ اسی ماہ مبارک کی دعوتوں اور ضیافتوں میں صرف فرماتے رہتے ہیں کیا اسی روزہ داری پر آپ خوش ہیں کیا اسی کا نام آپ کے خیال میں ماہ مبارک کا احترام ہے؟

ایک شخص قند اور دودھ کا نفیس شربت تیار کرتا ہے مگر اس میں کچھ مکھیاں بھی پیس کر ملا دیتا ہے۔ آپ ایسے شخص کی صحت دماغی کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے؟ ایک شخص بہترین اور لذیذ ترین کھانا خوان میں لگا کر لاتا ہے مگر اس میں ایک جزو غلاظت کا بھی ملا دیتا ہے آپ اس بدنصیب کی عقل و فہم پر ماتم کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں۔ یقین کیجئے اس سے کہیں زائد موجب تاسف اور مستحق ماتم اس بے عقل اور بد نصیب کی حالت ہے جو روزہ رکھ کر بھی غصہ کر کر کے، عیب چینی میں مصروف رہ رہ کے۔ نفسانی خواہشوں کے منصوبوں میں مبتلا رہ رہ کے۔ روزہ کی نعمتوں راحتوں لذتوں اور فرحتوں کو اپنے ہاتھوں غارت کرتا رہتا ہے۔ اور جو حرماں نصیب سرے سے روزہ ہی ترک کئے ہوئے ہیں ان بیچاروں کو توبس اللہ ہی سیدھی سمجھ اور ہدایت نصیب فرمائے۔

ماھنامہ المرشد چکوال
آپ کا اپنا رسالہ ہے اس میں دینی باتیں شائع ہوتی ہیں اس کا مطالعہ آپکے لئے ضروری ہے

اسم پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم

پروفیسر حافظ
عبدالرزاق ایم اے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی آپ کے دادا عبدالمطلب نے رکھا تھا۔ عام طور پر اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ رجاء ان یحمد۔ عبدالمطلب نے آثار نیک دیکھ کر محمدؐ نام رکھا کہ مستقبل میں یہ مولود سعید آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم مجموعہ محامد اور مرجع خلائق بنے۔

اگرچہ عام طور پر نام کی صرف اس قدر ضرورت سمجھی جاتی ہے کہ چند چیزوں میں باہم امتیاز قائم رہے لیکن نام کی صحیح اور حقیقی غرض یہ نہیں اسم کو اپنے مسمی کے صفات، خواص اور حالات کا آئینہ ہونا چاہیئے۔ افراد کے نام رکھنے میں تو اس کا کم لحاظ کیا جاتا ہے لیکن عموماً انواع و اجناس کے نام اسی مقصد کو پورا کرتے ہیں مثلاً انسان، مسلم، قوم وغیرہ، البتہ شاذ و نادر طریقہ پر افراد و اشخاص کے ناموں میں کبھی اس کا لحاظ کر لیا جاتا ہے مثلاً مسیح اور بدھ یہ دونوں نام اپنے مسمیٰ کے اوصاف اور خواص کو بتلاتے ہیں

یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ آپؐ سے پہلے عرب میں اس نام کا پتہ نہیں چلتا۔ مورخین اکثر لکھتے ہیں: ولم یکن شائعا بین العرب ھذا الاسم اس حالت کو تسلیم کرتے ہوئے دیکھا جائے تو اتفاقی طور سے "نام مبارک" کا عبدالمطلب کے ذہن میں آنا منشائے خداوندی معلوم ہوتا ہے کہ جب اس نام کا محل کامل دنیا کو اپنے وجود گرامی سے مشرف کر چکا تو پھر بھی فطری طور سے نام رکھنے والے کے ذہن میں وارد ہوا

نام مبارک کا عام اور سادہ ترجمہ یہی کیا جاتا ہے کہ "وہ ذات جس کی تعریف کی گئی"

اس ترجمہ کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن اس جامعیت کبریٰ، برزخ کامل اور مقصود آفرنیش کے فضائل وکمالات کے سامنے ترجمہ ہیچ ہے۔ اللہ کے تمام نبی اس کے نزدیک موجب توصیف ہیں۔ دنیا کے تمام حکیم، ناصح عام انسانوں کی نظروں میں لائق مدح وحقائق ہیں۔ اس لئے ترجمہ کی صحت کو پورے طور پر تسلیم کرتے ہوئے تفحص کو اور زیادہ وسعت دیں صاحب مفردات محمدؐ کے معنی مجموعۂ خوبی کے ہیں ؎

اے تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم
(اے تمام خوبیوں کے مجموعہ! میں
تجھے کس نام سے پکاروں")

کارساز قدرت کی وسعت لا محدود اس کے کرشمے ناقابل شمار اسکی خلقت کا دروازہ ہمیشہ کیلئے وا ہے۔ غور کرنے سے ہم اپنی عقل کے مطابق اس فیصلہ پر پہنچتے ہیں کہ قدرت نے تخلیق انواع کیلئے ایک معیار مقرر کیا ہے۔ مخلوقات کی ہر نوع کا ایک درجہ کمال ہے کہ جس کے آگے اس کا قدم نہیں بڑھتا۔ حیوانات، نباتات اور جمادات تک میں اس کے شواہد مل سکتے ہیں صورتیں ایک ہیں شکلیں متحد ہیں۔ اوصاف مختلف ہیں لیکن ان مختلف اوصاف کی ایک انتہا ہے جسے جنس اعلیٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کہ جس کے آگے کوئی درجہ نہیں۔ ہر نوع میں جنس اعلیٰ کو جس پر اوصاف جامعیت کے ساتھ ختم ہوتے ہیں ہم مقصود فطرت اور نقطہ تخلیق کہہ سکتے ہیں۔ اس نقطہ تخلیق کی اصطلاح کو پوری طرح ذہن میں رکھنا چاہیئے۔ یہ بات تھوڑے سے غور اور مشورے سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ تفحص اور تفتیش کے بعد تمام انواع مخلوقات کے اوصاف کا ایک درجہ اعلیٰ پاتے ہیں کہ جس کے آگے انسانی معلومات میں کوئی درجہ نہیں۔

دوسرے تمام انواع کی طرح اس مقصود فطرت کو انسانوں کی جماعت میں بھی تلاش کرنا ضروری ہے۔ دوسری مخلوقات اور انسانوں میں ایک عام اور بیّن فرق یہ ہے کہ وہاں نوع کے سینکڑوں افراد ہیں اور یہاں اوصاف وخصوصیات کے اعتبار سے ہر فرد اپنے مقام پر نوع مستقل ہے۔ آفرنیش انسان کی مجمل یا مفصل تاریخ پر ایک اجمالی نظر بتلا سکتی ہے کہ آج بھی انسان کی شکل وشباہت، اس کے اعضا وجوارح، اس کا ڈھانچا جسمانی ساخت

ٹھیک وہی ہے۔ سب چیزیں وہی ہیں جو دنیا کے پہلے انسان کی تھیں۔ لیکن دماغی کیفیتوں کا حال اس سے جداگانہ ہے۔ ان میں برابر ارتقا اور اختلاف جاری ہے۔ اب اگر انسان کی اس ارتقائے دماغی پر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ماقبل اور مابعد ادیوں اور زبانوں کی تاریخ میں ارتقائے دماغی کی آخر ترین سرحد اگر کوئی ہو سکتی ہے تو وہ ذات قدسی صفات آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے

لغات قاموس نے لفظ حمد کے ایک معنی "قضاء الحق" کے بھی بتلائے ہیں پس لفظ محمدؐ کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ "وہ جس کا حق پورا کر دیا گیا ہو" یعنی قدرت کی جانب سے نوع انسانی کو جس سرحد کمال تک پہنچانا مقصود تھا اور انسان کا اپنے خالق پر جو حق تخلیق مقرر تھا وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا کر دیا گیا۔ علم و عمل، خَلق و خُلق دماغ اور کیریکٹر، ارتقائے ذہنی اور ارتقائے عملی یہی دو چیزیں انسان کا خلاصہ اور اس کی کائنات تخلیق کا لب لباب ہیں۔ اوّل ثانی کیلئے بنیاد ہے۔ عمل، علم پر، کیریکٹر، دماغ پر، خُلق خَلق پر قائم ہے۔ یہ ایک عجیب نکتہ ہے۔ جتنی ہی بھی انسان کی حالت مکمل ہو گی اسی قدر اسکی خلقی کیفیت راسخ و مستحکم ہو گی۔ ایک کا کمال دوسرے کے کمال کی علامت اور ایک کا نقصان دوسرے کے نقصان کی نشانی ہے۔ تاریخی طور پر یہ امر ثابت ہے۔ کہ کیریکٹر اور اخلاق کی جملہ شاخوں کے پختگی اور تکمیل کا جو نمونہ آنحضرتؐ کی ذات مبارک نے پیش کیا عالم انسانی اسکی نظیر سے عاجز ہے کہ خود دشمنوں کا اقرار ہے اس کو فرما دیا گیا انک لعلی خلق عظیم۔

محاورہ عرب سے حمد کے معنی یہ بھی معلوم ہوتے ہیں کہ کسی کام کو اپنی قدرت کے مطابق انجام دینا۔ حماسیات میں نیزہ بھرپور پڑنے کے وقت حمدت یلاءہ (میں نے وار پورا کیا) کا محاورہ بہت مشہور ہے۔ اس معنی کو سامنے رکھتے ہوئے اور اوپر کے مضمون کو پیش نظر رکھ کر بے تامل کہا سکتا ہے کہ لفظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی مخلوق کامل کے بھی ہیں۔

منجملہ دیگر کمالات نبوت و معجزات رسالت کے ایک معجزہ حضور اکرمؐ کا نام نامی بھی ہے یہ زندہ جاوید معجزہ بعثت کے وقت سے ہنوز اپنے فضائل کی شہادتیں پیش کر رہا ہے صاحب قاموس نے لکھا ہے محمد الذی یحمد مرۃ بعد مرۃ۔ یعنی جس کی تعریف کا سلسلہ ختم ہی نہ ہو۔ تعریف کے بعد تعریف اور توصیف

کے بعد توصیف ہوتی رہے۔ زمانہ جوں جوں بڑھتا جاتا ہے اور انسان اپنی سعی و کوشش کے مطابق جس درجہ ترقی کرتا جاتا ہے محض اعتقاداً نہیں بلکہ واقعتہً رسالتمآب روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات سے پردہ اٹھتا جاتا ہے علماؤ فضلا یورپ کی اکثریت تاریخ اسلام کے تحت اپنا مطالعہ جس قدر گہرا کرتی جاتی ہے دنیا کی مختلف پریشانیوں اور بے قراریوں کو معلوم کرنے کی ضرورت جتنی ہی ان کے نزدیک بڑھتی جاتی ہے با دل ناخواستہ انہیں اس راہ کی طرف آنا پڑتا ہے اور زبان اعتراف کھولنا پڑتی ہے کہ بے شبہ پیغمبر اسلام کے قانون دنیا کی ضرورتوں کے کفیل اور ان کی زندگی عالم انسان کیلئے ایک بہترین نمونہ ہے اہل ایشیاء کا رجحان طبعی جتنا روحانیت اور سادگی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اسی قدر وہ پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہوتا جاتا ہے یہ دنیا کا صرف واحد معجزہ ہے کہ نام مبارک تیرہ سو برس پہلے سے اس آنے والی حالت کا پتہ دے رہا ہے۔ مستقبل میں دنیا کی عمر جس قدر دراز ہوگی خواہ وہ موجود حالت میں ترقی کرے جس کی بظاہر امید نہیں اور خواہ وہ اپنے پچھلے سبق دہرائے دونوں حالتوں

میں اسے کمالات نبوت کے اعتراف سے چارہ نہ ہوگا اس حیثیت سے نام مبارک محمد کا ترجمہ "سلسلہ اوصاف و محامد ہوگا۔

جیسا اوپر کہا گیا ہے عام طور سے اشخاص کے نام اور اوصاف باہم کوئی نسبت نہیں رکھتے شاذ و نادر اتفاقی حیثیت سے تناسب بھی مل جاتا ہے اور ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ کسی انسان کا وہ نام رکھا گیا ہو جو اسکی تمام زندگی کا آئینہ دار اور اسکی شبہائے حیات کی تفصیل ہو۔ مگر نام نامی آقائے نامدار اس سے مستثنیٰ ہے۔ اسی مطابقت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس خاص نام کے رکھنے کا تعلق عبدالمطلب کو ایک غیبی تحریک ہوئی

اب غور کیا جائے کہ آنحضرت کی زندگی کا خلاصہ دوست و دشمن کی یکساں تنقید، کافروں کی رائے زنی کا ماحصل اس کے سوا کچھ اور نہیں کہ علم و عمل ظاہر و باطن، خلق و خُلق ہر حیثیت سے حضور اکرمؐ کی زندگی قابل تعریف تھی اور انہی کے خلاصہ حیات کا ترجمہ ہے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم

اور اس سے بھی زیادہ عجیب امر یہ ہے کہ نام مبارک نہ صرف نبی بلکہ خاتم النبیین ہونے کی دلیل بھی ہے۔ کمال اور بکمال اختلاف

بھی انبیاء علیہم السلام کی مخصوص اور ممتاز صفات میں سے ہے ، دوسرے انبیاء علیہم السلام کا کمال علمی و عملی کسی ایک خاص صفت میں مخصوص تھا۔ لیکن حضور اکرمؐ کی جامعیت آپؐ کی سوانح اور تعلیمات سے معلوم کیجا سکتی ہے۔ لفظ محمدؐ کے معنیٰ مجموعۂ خوبی اور مخلوق کامل کے جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں اس کے آگے کوئی نقطہ ہی نہیں ہے اسی حالت پر کمال کلی کی انتہا اور معارف کا اختتام ہے جس کے بعد نہ کسی نبی کی حاجت نہ کسی نبی کا وجود ممکن ہے۔ مستشرقین یورپ میں سے جن لوگوں نے آنحضرتؐ کی سیرت پاک کا مطالعہ کیا ہے وہ باوجود ہزار سعی تنقیص، اعتراف کمال پر مجبور ہوتے ہیں ولیم میور اور مارگولیتھ جیسے متعصب لوگوں کو بھی کھلے اور چھپے لفظوں میں اس کا اقرار کرنا پڑا کہ پیغمبر اسلام کی تعلیم انتہائی سچائی اور حقیقی صداقت پر مبنی نظر آتی ہے۔ عہدِ نبوت میں بھی اس قسم کے واقعات پیش آچکے ہیں کہ بعض سخت ترین منکر ایک توجہ نظر اقدس کی تاب نہ لا سکے۔ عبداللہ بن سلام جو نامور علماء یہود میں سے تھے وہ جس طرح ایمان لائے معلوم ہے۔ بعثت

کے حالات ، سیرت طیبہ ، تعلیم و تلقین اپنے اندر کچھ ایسی کشش رکھتی ہے کہ مخالف سے مخالف اور سخت سے سخت حریف اعتراف پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اسی خاصیت اور بے اختیارانہ کشش کو نامہ مبارک میں بیان کیا گیا ہے۔ لفظ "محمد" عربی زبان میں "تحمید" سے مشتق ہے جو باب تفعیل کا مصدر ہے اس باب کے معنی کے خواص میں سے ہے کہ کسی کام کا وجود میں آنا اس طور پر پایا جائے کہ گویا کسی مخفی یا ظاہر طاقت نے وجود میں آنے کیلئے مجبور کیا جیسے (حرّف) (پھیر دیا) یعنی کسی طاقت نے بے اختیار کر کے "پھیر دیا" اس طرح محمدؐ کے معنی میں وہ جسکی تعریف بے اختیار کی گئی ہو اس معنی سے اسی قوت جاذبہ اور کشش اصلی کی طرف اشارہ ہے عبداللہ بن سلام کے متعلق مروی ہے کہ وہ چہرہ اقدس کو دیکھتے ہی پکار اٹھے ھذا لیس بوجہ کذاب یعنی یہ چہرہ جھوٹے کا ہرگز نہیں۔ یورپ میں بڑی ہوشیارانہ تدبیر سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدترین پیرایوں میں دکھلانے کی کوششیں کی گئی ہیں لیکن اب بعض جماعتوں اور خدا ترس بندوں کی طرف سے جو مساعیٔ جمیلہ کی جا رہی ہیں انھوں نے تجربہ

کرادیا ہے کہ جب کبھی اصل صورت ان کے سامنے پیش کی گئی ہے تو انہوں نے یہی کہا کہ یہی تو ہمارا کعبہ مقصود ہے۔

اس باب کی دوسری خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ کسی کام کے اس طور پر ہونے کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے تمام پہلوؤں کا استقصاء کئے ہوئے ہو۔ کوئی جزو اس سے چھوٹا ہوا نہیں جیسے قتلہ تقیلا یعنی خوب خوب قتل کیا۔ اس خاصیت کا لحاظ رکھتے ہوئے نام مبارک کے یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ محمدؐ یعنی جس کا جزو جزو قابل تعریف ہے اصلاح نفس تدبیر منزل، اور تدبیر مدن کی وہ کونسی شاخ ہے جس کا عملی نمونہ ذات قدسی صفات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش نہیں کردیا۔ انبیاء علیہم السلام کا تمام تر سلسلہ عالم میں ایک خاص ترتیب و نظام کے ساتھ آیا اور ہر ایک اپنے اندر کوئی نہ کوئی کمال اخلاقی یا عرفانی یا انتظامی لایا۔ یہ بابرکت سلسلہ جب اپنی حد و نہایت کو پہنچا تو ضرورت ہوئی کہ عالم انسانیت کے سامنے ایک ایسا نمونہ کامل پیش کیا جائے جو ان تمام صفات کا مجمع اور فضائل کا آئینہ ہو جس کی زندگی کو سامنے رکھنے سے سو سو یا نہ

ستی مسیحانہ اخلاق اور ابراہیمی محبت یکساں نظر کے سامنے آجائے اور ان تمام اوصاف میں اپنے متقدمین سے بالاتر ہو۔ وہ ہستی جامع اور برزخ کامل ذات پاک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اسی لیے حضرت مسیحؑ نے اپنی بشارت میں لفظ "احمد" فرمایا یعنی وہ آئے گا جو اپنے تمام پہلے آنے والوں کا سردار اور سب پر فائق ہوگا۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب نے اپنی کامل نشوونما جب ہی پائی ہے جب وہ معرفت و روحانیت کی آغوش سے نکل کر سلطنت اور حکومت کی گود میں چلے گئے۔ مسیحی مذہب کی ترقی رومی بادشاہوں کی رہین احسان ہے۔ بودھ نے بہت کچھ تبلیغ کی لیکن اس کا عالمگیر مذہب بھی اس وقت اپنی تکمیل کر سکا جب وہ اشوک خاندان کی سرپرستی میں آگیا لیکن اسلام اپنی تاریخ میں بالکل علیحدہ ہے۔ وہ جن جن ملکوں میں گیا اور جن جماعتوں میں پھیلا اخلاق اور روحانیت سے گیا۔ غریب تلوار تو اسلام میں روحانیت اور مذہب کے داخلے کے بعد گئی ہے۔ افریقہ اور ہندوستان کی نظیریں اس بارہ میں بہت صاف ہیں اس نعمت تبلیغ کو بھی نام مبارک میں ظاہر کردیا گیا ہے۔

فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد للہ رب العالمین،

بظاہر اسباب ان مفاسد کے مٹنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔ لیکن فطرت کی تدبیریں اندر اندر جاری رہتی ہیں ایک وقت معین پر ظاہر ہو جاتی ہیں۔ فطرت کی رفتار ہوا کی طرح تیز اور سیلاب کی طرح نرم ہوتی ہے۔ خوش تدبیری اور حسن اسلاب کے موقع پر بھی حمد کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ پس لفظ "محمدؐ" کے ایک معنی یہ بھی قرار دیا جا سکتے ہیں کہ وہ جس کے ساتھ خوش تدبیر

آپؐ کی تعلیم کی وسعت آپؐ کا لایا ہوا دین خدا کی خاص مرضی اللہ خاص تدبیر سے عالم میں پھیل گیا جس کی سرعت اور بغیر جدوجہد رفتار ترقی سے اس وقت بھی دینا متحیر ہے۔ الغرض اسلام کی تمام معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ پیغمبر اسلام کا نام مبارک بھی اپنے معانی کے لحاظ سے مختلف خوبیوں کا موقع اور بڑے فضائل کا خلاصہ ہے۔ ایک طرف وہ اپنے مسمٰی کے کام اور کام کے انجام کی پیش گوئی ہے دوسری طرف اس کے کاموں کی تاریخ اور اس کی تعلیم کا نب لباب ہے۔

پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنے نبی کا ایسا پاک نام رکھا۔ اور پاکیزہ ہے وہ نبی جسے اس کے معبود نے ایسی فضیلتوں سے آراستہ کیا۔

(تفسیر ماجدی)

ہے یہ وہ نام خاک کو پاک کرے نکھار کر
ہے یہ وہ نام خار کو پھول کرے سنوار کر
ہے یہ وہ نام ارض کو کر دے سما اُبھار کر
اکبرؔ اسی کا ورد تو صدق سے بیگار کر
صل علیٰ محمدٍ صل علیٰ محمدٍ

معذرت

المرشد کے مضمون نگار حضرات کی خدمت میں التماس ہے کہ المرشد کی تنگ دامانی کی وجہ سے اکثر مضامین لیٹ ہو جاتے ہیں انشاء اگلے شمارہ میں شائع کرنے کی کوشش کریں گے " ادارہ "

وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلاً ؕ

اللہ بخش زاہد - ایم، اے

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کلامِ پاک سورۂ مزمل میں بندے کو حکماً و مصلحتاً فرماتے ہیں کہ نجات و کامرانی کا راز میرے ساتھ مکمل اور خالص تعلق رکھنے میں ہے قولہٗ تعالےٰ:

وذکر اسم ربک وتبتّل الیہ تبتیلا ؕ واصبر علیٰ ما یقولون واھجرھم ھجراً جمیلا ؕ

مندرجہ بالا دو آیات میں دو کاموں کی ہدایت ہے یعنی قلبی لگاؤ، اللہ تعالےٰ سے پیدا کرنا اور غیر اللہ سے احسن طریقے پر ختم کرنا - صوفیاء کی اصطلاح میں اوّل کو پیوستن اور دوم کو گسستن کہا جاتا ہے - ان دونوں میں سے پہلے کس کا اہتمام کیا جائے اور ثانویت کسے دینی چاہیئے - اس بارے میں محققین کے دو گروہ ہیں اور نتیجتاً یہ فیصلہ ہر سالک کے انفرادی حالات و مزاج پر منحصر ہوتا ہے -

عرفانِ خداوندی کا حصول، ذاتِ قدیم کی جانب متوجہ و مائل رہنا بشمول لوازماتِ بشری کے ایک عظیم ذمہ داری اور امتحان تھا جس کو قبول کرنے سے پہاڑوں اور زمین و آسمانوں نے عاجزی ظاہر کی لیکن انسان نے منظور کیا ؎

سب پہ جس بار نے گرانی کی
اُسے یہ ناتواں اُٹھا لایا

ارشاد باری تعالیٰ: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝

اللہ ربّ العزت کے ساتھ کئے گئے اس عہدِ امانت کو نبھانے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ بقول اقبالؒ ؎

اے ز آدابِ امانت بے خبر
از دو عالم خویش را بہتر شمر
از رموزِ زندگی آگاہ شو
ظالم و جاہل ز غیر اللہ شو

تبتّل سے اکثر اوقات غلط مطلب لیا جاتا ہے جو قریب تر نصرانی رہبانیت کے ہے۔ اسلام معاشرے سے منقطع نہیں کرتا بلکہ اپنے کاروبار، ملازمت اور لواحقین میں رہتے ہوئے دل کا میلان اپنے خالق و مالک سے قائم رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ یعنی نہ ترکِ تعلقات کا درس ہے اور نہ انہماک فی الدنیا کی اجازت، بلکہ تعلقات میں اختصار پر زور دیتا ہے۔ احتساب و تسخیرِ کائنات کرتے ہوئے ایک ایسے اعلیٰ و ارفع مقام پر لانا چاہتا ہے جہاں پر بندہ اپنے خلیفۃ فی الارض ہونے کا ثبوت دے۔ اسباب پر نظر رکھنے کی بجائے مسبب الاسباب کے احکام پر نگاہ رکھے اور انہیں ہر قدم پر اور ہر قیمت پر پورا کرے۔ اس طرح اس کے دنیا کے امور بھی دین بن جائیں۔ ہر کام سے مقصود رضائے باری تعالیٰ ہو۔

قربِ حق از ہر عمل مقصود دار
تا ز تو گردد جلالش آشکار
در قبائے خسروی درویش زی
دیدہ بیدار و خدا اندیش زی

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی زندگیاں ہمارے لئے نمونہ ہیں۔ آخرت کو دلوں

میں سمائے ہوئے تھے۔ اور دنیا کو ہتھیلی پر رکھے ہوئے، جب کہیں دونوں میں تضاد یا انتخاب پیش آتا ہاتھ والی چیز پھینک دیتے اور دل والی شے محفوظ و مامون رہتی ہماری حالت اس کے برعکس ہے ہم نے دنیا کو دل میں جگہ دے رکھی ہے اور اُخروی معاملات پر کم یقین و کوشش کرتے ہیں ؎

قریب تر ہے نمود جس کی
اسی کا مشتاق ہے زمانہ

اور یا (Future is uncertain) کے خبط میں ہیں۔

ایک حد تک دُنیا سے محبت تو انسانی فطرت ہے لیکن اس میں غلو باعثِ ہلاکت ہے۔ ضرورت سے زیادہ دنیا کے مال و دولت اور عیش و آرام کی طمع اسلام میں مذموم ہے اور اس کے ترک کرنے کی ہدائتیں بھی قرآن پاک میں بکثرت وارد ہیں لیکن رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں طمعِ دنیا اور حُبِّ دنیا سے منع فرمایا وہیں اپنے قول و عمل سے اس کی حدود بھی متعین فرما دی ہیں کہ نکاح کرنے کو اپنی سُنّت قرار دیا، اور اس کی ترغیب دی، اولاد پیدا کرنے کے فوائد اور درجات تبلائے، اہل و عیال کے ساتھ حُسنِ معاشرت اور اُن کے حقوق کی ادائیگی کو فرض قرار دیا۔ اپنی اور ان کی ضروریات کے لئے کسبِ معاش کو فریضۂ بعد الفرائض فرمایا تجارت، زراعت، صنعت، حرفت اور مزدوری کی لوگوں کو تاکید فرمائی، اسلامی حکومت کا قیام اور اسلامی نظام کی ترویج سے پورے جزیرۃ العرب میں نظامِ مملکت قائم فرمایا۔

پس ہمیں چاہیئے مذکورہ بالا اسوۂ حسنہ کے مطابق اپنے اوقات خلوت و عزلت و انجمن و اکل و شرب کے معاملات درست کریں، ہمارا کھانا پینا، بیٹھنا، اُٹھنا سُنّتِ مطہرہ کے مطابق ہو، ذکرِ الٰہی و فکرِ آخرت ہر لمحہ و ہر سانس جاری رہے اس ذکر و فکر کو ہمارے سلسلہ نقشبندیہ میں پاس انفاس ہوش دردم اور خلوت درانجمن کا نام دیا جاتا ہے اس کی اہمیت و فوائد

کا اندازہ آپ اس سے کریں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اس قدر مصروفیات، مجاہدات اور مخالفتِ اعداء کے باوجود ذکرِ الٰہی سے مستثنےٰ نہیں ہوئی اور سورۂ مزمل کی ابتدائی آیات میں ذکر اسم ذات کا خطاب صیغۂ واحد حاضر میں ہوا۔ تو ما و شما کس قطار میں آتے ہیں۔

کنوں وقت است شو از خواب بیدار
دلت با یار بند و دست در کار

بقول حضرت باہوؒ:

بلا لا لا ہمہ لاکن۔ بگو اللہ و اللہ جو
نظرِ خود سوئے وحدت کن۔ کہ لا مطلوب الا ہو

حدیثِ پاک میں امام احمدؒ اور امام ترمذیؒ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ لوگوں میں کونسا شخص اچھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خوشخبری اس مرد کے لئے کہ عمر اس کی لمبی ہو اور عمل اس کا پسندیدہ پھر اس نے دریافت کیا کہ کونسا عمل اچھا ہے تو فرمایا کہ تو دنیا سے جائے اور تیری زبان پر ذکرِ الٰہی جاری ہو۔

اَلنَّاسُ کُلُّھُمْ اَمْوَاتٌ اِلَّا الَّذِیْنَ اِشْتَغَلُوْا بِرَبِّ الْاَرْضِ

ذاکرین آسمان والوں کو یوں دکھائی دیتے ہیں جیسے زمین والوں کو آسمانی ستارے اور فرمایا ذاکر اور غیر ذاکر کی مثال زندہ اور مردے کی سی ہے ۔

ہر کہ بے حق زیست جز مردار نیست
گرچہ کس در ماتم او زار نیست

کُلُّ نَفْسٍ یُخْرَجُ لِغَیْرِ ذِکْرِ اللّٰہِ فَھُوَ مَیِّتٌ فَھُوَ حَرَامٌ

تذکرۃ الاولیاء میں حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بیان ہے

کہ انہیں اپنے ایک صوفی دوست نے بتایا کہ میں جنگل سے گزرا ہوں دو بلیاں آپس میں جھگڑ رہی تھیں۔ ایک کہتی تھی بایزید مرگیا ہے دوسری کہتی نہیں مرا نہیں کافر ہوگیا ہے یہ بات سُنکر بایزید رحمۃ اللہ علیہ بولے کہ دونوں ٹھیک کہتی ہیں۔ مجھ سے کچھ وقت ذکرِ الٰہی چھوٹ گیا تھا اور میرے وہ سانس مردار ہوئے یا انکار کے مترادف ہیں۔

نصیب اوست مرگ ناتمامے
مسلمانے کہ بے اللہ ہو زیست

کلام اللہ شریف میں ارشاد ہے کہ جو شخص ہمارے ذکر سے اعراض کرے ہم اس کے لئے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں جو اس کی رفاقت کرتا ہے اور اس کا قرین بن رہتا ہے تو پھر کیا ہی بہتر ہے کہ بندہ رحمان کا ہمنشین ہو نہ کہ شیطان کا جو ظاہر باطن دشمن ہے جو راہ دکھائے گا اور جو بھی مشورہ دل میں لائے گا گمراہی ہی ہوگا۔ اپنے رب کی یاد سے دور پھینکے گا۔

انفاس پاس دار اگر مرد عاقلی
نفسے بغیر یاد برآری تو غافلی

صاحب احیاء العلوم لکھتے ہیں کہ جو قلب غیر اللہ کے ساتھ سکون پکڑتا ہے وہ بیمار ہے فی قلوبھم مرض اور وہ اپنی مرض کی وجہ سے عبادت و ذکر والی روحانی غذا سے منہ موڑ چکا ہے۔ اور یہ غذا کا اچھا نہ لگنا، غذا کا چھوڑ دینا جس طرح جسمانی غذا کے بغیر جسم کی موت کی نشانی ہوتا ہے بالکل بعینہٖ روحانی غذا کو قلب کا قبول نہ کرنا اس کی طلب نہ کرنا یا اس کے ساتھ اطمینان کا حاصل نہ ہونا بھی اس بات کی علامت ہے کہ روح بیمار ہے اس کا حتی المقدور علاج کرنا ضروری ہے خدا نہ کرے کہیں غفلت اور بے علمی میں اس کی موت واقع ہو جائے یعنی استعدادِ ایمان ہی ختم ہو جائے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے جس قدر آسمانی کتابیں انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں اُن تمام کتب و صحائف کا خلاصہ مضمون، تورات، انجیل اور زبور میں آگیا ہے اور ان تینوں کا خلاصہ قرآنِ کریم میں آگیا ہے۔ جو تمام سابقہ کتب و صحائف منزل من اللہ کا مہیمن ہے اور پورے قرآن کا خلاصہ سورۂ بقرہ میں ہے۔ سورۂ بقرہ کا خلاصہ مفہوم سورۂ فاتحہ میں ہے اور سورۂ فاتحہ کا خلاصہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ میں ہے۔ اور آیۂ مبارکہ بسم اللہ کا خلاصہ صرف لفظ بسم اللہ کی "با" میں آجاتا ہے۔ چونکہ لفظ با، تلبیس کے لئے ہے۔ نحویوں کی اصطلاح میں اس کا مطلب ہے خدا سے تعلق پکڑنا، خدا تعالیٰ سے جُڑ جانا، چنگل لگانا، خدا والا بن جانا، معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور آسمانی کتب کے نزول کا اہم خالاہم مقصد یہی ہے کہ غیر اللہ سے انقطاع اور وصول الی الحق ہو، یعنی غیروں سے منقطع ہو کر خدا سے وابستہ ہو جاؤ۔

تمام محققین صوفیاء کا اتفاق ہے کہ تصوف و سلوک کے حصول کے لئے صرف دو قدموں کی ضرورت ہے

اوّل: انقطاع عن الخلق۔ دوم: وصول الی الحق

انقطاع عن الخلق یا تبتّل سے مراد تبتل روحانی و قلبی ہے نہ کہ جسمانی و بدنی الیسانہ کہ آدمی بیٹھا مسجد میں ہو اور اس کے خیالات بازار میں ہوں بلکہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ بازار میں کاروبار کرتے ہوئے لین دین کرتے ہوئے بھی دل مسجد میں اٹکا رہے۔

اللہ والوں کو دنیا کی کوئی چیز ذکرِ الٰہی نماز اور عبادات سے مانع نہیں ہو سکتی۔ یعنی جن کو دنیاوی مرغوبات یا مصروفیات خدا کی یاد سے دور کر دیتی ہیں وہ مردانِ خدا نہیں ہوتے۔

اکبر الہ آبادی کے بقول ؎

ے دنیا میں ہوں دنیا کا طلبگار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں

تمام شریعت اور طریقت کا خلاصہ، اجمال یہ ہے کہ مال اور اولاد سے تعلق عبادت اور اطاعت کا ہو۔ جو شخص قرآن مجید اور حدیث شریف میں غور کرے سینکڑوں آیات اور احادیث سے ان کا مامور من اللہ ہونا پائے گا اور دنیا سے قلبی انقطاع کا ثبوت ملے گا۔

مشاہدات، مکالمات اور مکاشفات کا حاصل ہو جانا یا جمادات اور ارواح سے کلام کر لینا۔ کمال کی چیز نہیں۔ اصل کمال قرب الہٰی اور رضائے الہٰی کا حصول مقصود ہے۔ صوفئ کامل کے لئے ضروری ہے کہ مشاہدات وغیرہ تمام چیزوں سے صرفِ نظر کرتا ہوا اپنی منزلِ مقصود یعنی قربِ الہٰی کی طرف بڑھتا چلا جائے۔ اور یہ مقصد شیخ کامل کی رہبری سے حاصل ہو سکتا ہے کہ دل کو متوجہ کرنے کے لئے صحبت شرط ہے اور کیفیاتِ قلبی کا حصول انعکاسی طور پر ہوتا ہے جیسے صحبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچنے والا صحابی بنا اور صحابہ کی صحبت نے تابعین بنائے۔ ایسے ہی یہ نعمت سینہ بسینہ بٹتی چلی جا رہی ہے۔

ے یار ایں دنیا مکار می کند آخر خوار
دور شو از ایں حابس اللہ بس باقی ہوس

ترجمہ: اس دنیا مکار دی خاطر بنے خواری
اسا قیدوں ہُن چھٹ عزیزا اگروں لاہ بیماری

علمِ مسلم کامل از سوزِ دلی است
معنیٔ اسلام ترکِ آفل است
اہلِ قوت شو ز وردِ یا قوی
تا سوارِ اشترِ خاکی شوی

—٭—

محمد سمیع اللہ اسلام آباد

قراقلی ٹوپی کا استعمال کیوں نامناسب ہے

(عمامہ کا حکم اور فضیلت از روئے حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم)

ہمارے ملک میں مغربی تہذیب کے اثرات کی بدولت عمامہ کی جگہ قراقلی ٹوپی نے لی ہے دینی حلقوں میں عمامہ کی جگہ قراقلی ٹوپی (جناح کیپ یا لیاقت) پہننے کا رواج عام ہو گیا ہے اس میں نہ صرف سُنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی ہے بلکہ تصنع و اسراف ہے جو کہ شریعت میں منع ہے۔ علاوہ ازیں قراقلی ٹوپی پہننے میں ظلم کا عنصر پنہاں ہے کہ نرم کھال حاصل کرنے کے لئے بھیڑ، بکری کے نوزائیدہ بچے کو ذبح کر دیا جاتا ہے کہ جس کا گوشت بھی کھانے کے لائق نہیں ہوتا! کسی بزرگ نے سچ کہا ہے کہ جب سے قراقلی ٹوپی آئی ہے نمازوں میں خضوع و خشوع باقی نہیں رہا!!

اس لئے اشد ضروری ہے کہ منبر و محراب سے عمامہ کو رواج دینے اور مقبولِ عام بنانے کے لئے خواص و عوام الناس کو اس کا احساس دلایا جائے تاکہ ہمارے معاشرے میں اس کی قدر و منزلت ہو کہ اس کی نسبت کسی قومی لیڈر کی بجائے براہِ راست سرورِ کائنات ﷺ سے ہے جن کے نورانی طریقوں میں ہماری دنیاوی اور اُخروی کامیابی ہے اور جن کی ایک سُنّت مطہرہ اپنانے سے دوسری سنتوں کے اپنانے کے راستے کھل جاتے ہیں۔ تجربہ شاہد ہے کہ داڑھی رکھنے اور مونچھیں کٹوانے سے مغربی لباس ترک کرنا اور اسلامی وضع و قطع اختیار کرنا آسان ہو جاتا ہے دل میں اسلام کی عظمت آجاتی ہے

بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کی فکر ہوتی ہے اور طبیعت اللہ اور اللہ کے رسول کی نافرمانی سے بچنے کے لئے چوکس ہو جاتی ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے اعلان فرمایا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(سورۃ آل عمران آیت ۳۱)

ترجمہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالےٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میری اتباع کرو۔ اللہ تعالےٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہ معاف کر دیں گے۔ اور اللہ تعالےٰ بڑے معاف کرنے والے اور بڑی عنایت فرمانے والے ہیں (۳۱:۳)

ہمارے لئے مکمل اتباع کا نمونہ حضور کی ذات ہے جس کا فیصلہ خود اللہ تعالےٰ نے واضح طور پر قرآن میں ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ؕ

(سورہ الاحزاب آیت ۲۱)

ترجمہ: درحقیقت تمہارے لئے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے۔ ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے (۲۱:۳۳)

مرد کے چہرے کی زینت ڈاڑھی سے ہے اور سر کی زینت عمامہ سے ہے۔

امام غزالیؒ اپنی کتاب "احیائے علوم" میں ایک حدیث نقل کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ عمامہ کے ساتھ ادا کی گئی نماز بغیر عمامہ کی نماز سے ستر گنا افضل ہے در اصل شعار المسلمین دو سر کا تاج ہے۔ اسے چھوڑنا گویا تاج و تخت سے دستبردار ہونا ہے۔ جو کہ ایک مسلمان کا شیوہ نہیں ہے۔

لہذا آیئے آج ہی حضور نبیٔ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اس بھولی بسری سنت کو زندہ کرکے سو شہیدوں کے ثواب کے مستحق بنیں۔

علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

درج ذیل ارشادِ نبویؐ پر غور و فکر کی دعوت کے ساتھ یہ عریضہ ختم کرتا ہوں۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل امتی یدخلون الجنۃ الا من ابی قیل ومن ابی قال من اطاعنی دخل الجنۃ ومن عصانی فقد ابی (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری سب امت جنت میں داخل ہوگی مگر جس نے انکار کیا۔ کہا گیا کس نے انکار کیا۔ فرمایا جس نے میری اطاعت کی جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی پس اس نے انکار کیا (بخاری)

آخر میں استدعا ہے کہ اس عریضہ میں پیش کردہ گذارشات کو ترغیبی کلمات کے ساتھ اپنے مقتدیوں طلبا اور سامعین تک پہنچائیں کہ اللہ تعالے انہیں عمل کی توفیق نصیب کریں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

ماہنامہ المرشد کا سالانہ چندہ

سالانہ چندہ	۴۵/
ششماہی	۲۵/
فی پرچہ	۴/
پرانے پرچے	۲/ فی پرچہ

آئندہ پروگراموں کی ایک جھلک

۱۔ **اعتکاف**: آخری عشرہ رمضان المبارک دارالعرفان منارہ میں ۱۰ر جون ۱۹۸۵ء سے شوال کا چاند نظر آنے تک

۲۔ **اجتماع مرشد آباد**: ۲۷/۲۸ جون ۱۹۸۵ء ۲۷ر جون بروز جمعرات ظہر تک تمام احباب مرشد آباد پہنچ جائیں

۳۔ **سالانہ اجتماع دارالعرفان منارہ**: یکم جولائی سے ۹ر اگست ۱۹۸۵ء

۴۔ اجلاسِ عام اولیسیہ سوسائٹی: ۱۹ر جولائی ۱۹۸۵ء بروز جمعتہ المبارک آٹھ بجے صبح۔ تمام ممبران سے گذارش ہے کہ وہ تشریف لائیں۔

ایجنڈا:

I:۔ ترقیاتی کاموں کا جائزہ۔ II۔ پلاٹ الاٹمنٹ کی منصوبہ بندی۔

III: طرزِ تعمیر پر مشورہ۔

۵۔ **اجتماع لنگر مخدوم**: ۳ر اکتوبر سے ۵ر اکتوبر ۱۹۸۵ء

(۱) ۳ر اکتوبر سرگودھا بس سٹینڈ پر تمام انتظامات زیرِ اہتمام جناب شکیل احمد صاحب صبح ۹ر بجے تک مکمل ہو جائیں گے۔ احباب کے لئے کھانے کا بندوبست ہے۔ آخری بس برائے لنگر مخدوم ۵ر بجے شام روانہ ہو گی۔

(۲) انتظامیہ کمیٹی برائے لنگر مخدوم اجتماع

(۱) جناب الطاف مخدوم صاحب

(۲) مولانا نذیر صاحب

(۳) ہیڈماسٹر محمد خان صاحب

(۳) واپسی بسوں کا انتظام بذمہ جناب شکیل احمد صاحب

فہرست مطبوعات ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

دلائل السلوک خاص ایڈیشن	-/۶۰	مسئلہ ایمان بالقرآن	۳/۰	خدایا ایں کرم بار دگر کن	-/۱۰
دلائل السلوک اردو	-/۲۵	بنات رسولؐ	۲/۰	بزم انجم	-/۲۰
دلائل السلوک انگلش	-/۶۰	داماد علیؓ	-/۲	علم و عرفان	۳/۵۰
حیات برزخیہ	-/۲۵	تفسیر آیات اربعہ	-/۵	نور عظیم	۲/۵۰
حیات انبیاء اول	-/۱۵	حضرت امیر معاویہؓ	-/۱۰	فضائل توبہ و استغفار	-/۲۵
حیات انبیاء مذاہب اربعہ	-/۱۰	دربار حبیبؐ میں چند روز	-/۵	پاکیزہ معاشرہ	-/۱۰
الدین الخالص	-/۲۵	اسرار التنزیل اول تا چہارم فی	-/۱۰	حج کی دعائیں تین حصص	-/۵
		درس قرآن	-/۵		
ایمان بالقرآن	-/۲۰	راہی کرب و بلا	۱/۵۰	امداد السلوک	-/۲۰
تحذیر المسلمین	-/۲۵	ارشاد السالکین	-/۵	ضیاء القلوب	-/۱۵
الجمال والکمال	-/۵	انوار التنزیل	-/۵	فیوض الحرمین	۱۲/۵۰
سیف اویسیہ	-/۱۰	لغزشیں	[illegible]	[illegible]	[illegible]
کمالات عقائد علمائے دیوبند	-/۵	دین و دانش	-/۱۰	احادیث [illegible]	-/۲۰
اسرار الحرمین	-/۵	کس لئے آئے تھے	-/۵	اکمال الشیم	-/۳۳
تعارف	-/۳	ذکر اللہ عربی	-/۳	الفتح الربانی	-/۴۵
تحقیق حلال و حرام	-/۴	مغالطے	-/۵	تعلیم الدین	-/۱۰
حرمت ماتم	-/۴	تصوف تعمیر سیرت	-/۱۰	فتوح الغیب	-/۱۵
ایجاد مذہب شیعہ	-/۴	کونوا عباد اللہ	-/۳	ایک نصیحت آموز خط	-/۴
شکست اعدائے حسین	-/۴	اطمینان قلب	-/۱۵	حیات المسلمین	-/۱۵

ماہنامہ
«المرشد»
بیادگار حضرت العلام مرشد مولانا
اللہ یار خان نور اللہ مرقدہ
★
زیر سرپرستی
حضرت مولانا
محمد اکرم صاحب مدظلہ
اصلاح احوال و باطنی اصلاحات

شرح چندہ

فی پرچہ : -/۴
سالانہ چندہ : -/۴۵
مشرق وسطیٰ : -/۱۲۰
یورپ : -/۱۴۰
امریکہ کینیڈا : -/۱۶۰
لیبیا : ۱۵۰

ملنے کا پتہ

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ و ماہنامہ «المرشد» دار العرفان منارہ ضلع جہلم

سول ایجنٹ :- مدنی کتب خانہ گنپت روڈ لاہور

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فوراً ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255